نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے

۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے - جنپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں

۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہیئے

۶ سالانہ قیمت پانچ روپیہ - ششماہی تین روپیہ - بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	یک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۲ روپیہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۸ روپیہ	۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے

نگار بُک ایجنسی لکھنؤ

نگارستان

(دوسرا اڈیشن)

حضرت نیاز کے ادبی متعدد مضامین اور افسانے شامل کیے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کیے گئے۔

قیمت عہ

گہوارہ تمدن

(دوسرا اڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیا ے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے۔ اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے، قیمت علاوہ محصول ۱۲

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس زبان کی اسکی تخییل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون و اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچی ہے قیمت علاوہ محصول عہ

فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص آسانی ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھکر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت عروج و زوال موت و حیات صحت و بیماری، شہرت و شکنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کرسکتا ہے قیمت علاوہ محصول عہ

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشاط بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں علاوہ محصول ۱۰

جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک محبت کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کر کے انکی ایسی تشریح کی ہے کہ دل پھڑک اٹھتا ہو جاتا ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲

صحابیات

جسمیں عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات لکھ دیئے گئے ہیں اسکا مقصد ہو انکے خاص اپنی اخلاقی زندگی ہے، قیمت علاوہ محصول ۱۲

تذکرہ خندہ گل

مولفہ عبدالباری آسی جسمیں ۳۰۰ سے زائد اردو و فارسی کے ظریف شعراء کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف انکے کلام کے درج ہیں قیمت محصول ۱۲

ماہِ آئندہ سے "نگار" کی جدید راہِ عمل

آپ اس ماہ کے نگار میں بھی بہ لحاظ ترتیب و تنوع مضامین پہلے سے بہت فرق پائیں گے۔ لیکن آیندہ جو جدید راہ عمل سامنے ہے، وہ کہیں زیادہ مفید و دلچسپ ہوگی۔

(۱) مذہبی تنقیدات کا دائرہ تنگ کرکے زیادہ تر ان مسائل پر گفتگو کی جائے گی۔ جو ملک کے اخلاقیات و قومیات پر اثر ڈالنے والے ہیں۔

(۲) معلومات عامہ، و تحریکات علمیہ کا سلسلہ عرصہ سے بند تھا۔ وہ پھر شروع کیا جائے گا۔ اور کوشش کی جائے گی۔ کہ ناظرین "نگار" دنیا کی تمام علمی جد و جہد سے وقت حاضر تک آگاہ رہیں۔

(۳) ایک مستقل عنوان "عورت کی دنیا"، کا قائم کرکے تمام ان مسائل سے گفتگو کی جائے گی جو نسائیات کے موضوع پر علمی و عملی دونوں حیثیتوں سے حاوی ہوں۔

(۴) ادبی مضامین کے علاوہ نہایت شگفتہ و دلچسپ علمی مضامین بھی کافی طور پر شایع کئے جائیں گے۔ تاکہ تربیت ذہن و دماغ کا وہ اصل مقصود جس کی خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کو ضرورت ہے۔ پورا ہوتا رہے۔

(۵) تمام سیاسی و معاشرتی مسائل پر ہر ماہ بالالتزام آزادانہ تنقید پیش کی جائے گی۔

(۶) فسانوں اور نظموں کا معیار زیادہ بلند کر دیا جائے گا۔

اُمید ہے کہ آپ اپنے حلقۂ احباب میں اس کا اعلان کر دیں گے۔ اور نگار کی توسیع اشاعت میں توجہ سے کام لیں گے۔

۹ر اکتوبر ۱۹۳۱ء

نیاز فتحپوری

نگار

جلد ۲۰ - فہرستِ مضامین ماہ اکتوبر ۳۱ء - شمارہ ۴

ملاحظات	اڈیٹر	۲
مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں	حق گو	۹
ایک عجیب شادی	عبدالستار	۱۴
لسانیات کے اصولِ اوّلین	محقق اعظمی	۲۱
قوت و شجاعت کا دیوتا اور جامِ زہر	اڈیٹر	۳۶
اقبالنامۂ جہانگیری کا ایک قلمی نسخہ	عبدالمالک آروی	۴۴
ہندوستان کی ایک شاعر دیوی	عبدالجلیل	۵۴
قتال فی سبیل اللہ	سید شوکت علی	۶۷
ستاروں کی روشنی	اڈیٹر	۷۵
آثار و تاریخ	اڈیٹر	۸۱
عورت اہلِ فارس کے نزدیک	اڈیٹر	۸۲
باب الاستفسار: - ظالم نیرون - مہاتما گاندھی کا فلسفۂ عمل	اڈیٹر	۸۴
مطبوعات موصولہ	اڈیٹر	۸۹
محبت (نظم)	سید علی اختر	۹۱
کہسار مسوری (نظم)	روشن صدیقی	۹۲
شام گورستان (نظم)	عدم	۹۳
سحر مری (نظم)	حافظ غازیپوری	۹۵

نگار

جلد ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء شمارہ ۴

مُلاحظات

غالب، مرزا حاتم علی بیگ مہر کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

"سنو صاحب شعرا میں فردوسی، فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں، یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر و پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے، فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے اور عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہمطرحی نصیب ہو۔ ...."

اسی میں اگر اس کا بھی اضافہ کر دیا جائے کہ ایک صداقت پرست، ایک حق شناس اور ایک بے لاگ تنقید کرنے والے کی انتہا یہ ہے کہ وہ کافر و مرتد بنا دیا جائے، ملحد و بے دین کے نام سے پکارا جائے، تو میرے لئے اس سے زیادہ فخر کا موقعہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج میں بھی اسی منزل میں ہوں جو کسی وقت فردوسی، حسن بصری اور مجنوں کو اپنے اپنے فن میں نصیب ہوئی تھی اور ناشکری ہو گی اگر اس سے زیادہ کوئی اور سعادت طلب کروں۔

مابجامے کہ زجم ماند قناعت کردیم　　بہ سکندر بہ ہیدا نچہ ز دارا ماند

آج سے کئی صدی قبل جب مذہب نام نفس و ضمیر کے سکون کا تھا، جب قرآن کا مفہوم ایک مولوی کے مواعظ و ارشادات سے بلند تھا، جب دین حنیف میں جبر و اکراہ کا ذرا سا بھی شائبہ گوارا نہ کیا جاتا تھا، اور جب عہد بنی عباس میں آزادی کے ساتھ ہر شخص کو اسلام کا

صحیح مفہوم جاننے کیلئے جرح وتنقید کی اجازت تھی۔ اس وقت کفر وارتداد کا مفہوم صرف یہ تھا کہ اصول اخلاق کو پس پشت ڈال کر انسانیت کی ترقی کو روک دیا جائے۔ لیکن اب یہ معیار بہت بلند ہوگیا ہے، اسقدر بلند کہ میں توخیر کیا چیز ہوں، اگر آج غزالی اور رازی زندہ ہوتے تو ان کا دامن بھی مولوی کے ہاتھ میں ہوتا (گو مولوی کی عبا اُن کے ہاتھ۔۔۔ نہ آسکتی) غضب خدا کا، میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ خدا کی عظمت وجبروت، اور اس کی قوت وقدرت کا اس طرح قائل ہوں کہ شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ ہزار بار لکھ چکا کہ رسول کی صداقت وبلندی فطرت پر جس طرح میں ایمان لایا ہوں شاید ہی کوئی اور ایمان لایا ہو لیکن باوجود اس اقرار کے بھی میں کافر ہوں، ملحد ہوں، مرتد ہوں! پھر اگر اسی اقرار وعقیدہ کا نام کفر والحاد ہے تو

نازم بہ کافری کہ بہ ایماں برابر است

لاؤ ساری دنیا کی بیدینی مجھے دیدو، تمام عالم کا ارتداد میرے حوالہ کردو۔ اور کائنات کے ہر ہر گوشہ کا الحاد میرے قلب میں بھر دو کہ اس دولت کے ساتھ تو مجھے جہنم بھی اس فردوس سے زیادہ عزیز ہے جہاں ایک مولوی مسلمان کو کافر بنائے بغیر نہیں جا سکتا ـــــــــ آہ،

ایں چہ شوریست کہ در دور قمری بینم!!

اس دوران میں ہندوستان کے مختلف مقامات سے زیادہ منظم طور پر میری بیدینیوں کے خلاف تبلیغ واشاعت کی گئی، یہاں تک کہ بعض انجمنوں نے جو مقامی "مولوی جماعت" کے زیر اثر تھیں میرے اور نگار کے الحاد کو ناقابل برداشت قرار دے کر نگار کی خریداری سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کی، صوبۂ بہار کے کوئی بزرگ مولوی عبد الحکیم یا حکیم الدین صاحب ہیں انھوں نے اپنے صوبہ کے اخبار اتحاد میں ایک خطیبانہ مقالہ کے ذریعہ سے ابنائے وطن کو نگار کے فتنہ سے آگاہ کرکے اس کے مطالعہ کو حرام وناجائز قرار دیا۔ یہاں تک کہ یہیں لکھنؤ میں بعض اکابر قوم ومذہب نے جلسہ کرکے یہ بھی ارادہ کیا کہ میری اس عارضی زندگی ہی کو ختم کردیا جائے۔ بعض حضرات نے متعدد خطوط اس نوع کی تخویف وترہیب کے بھی میرے پاس روانہ کئے۔ مقامی اخباروں میں روزنامہ ہمت اور ہفتہ وار سچ نے اس کار ثواب میں زیادہ اہتمام وتوجہ سے حصہ لیا، الغرض اس دوران میں وہ سب کچھ ہوا جو صحافت وپروپیگنڈہ کی مدد سے ہو سکتا تھا۔ لیکن میں نے ان تمام حملوں کے جواب میں صرف سکوت سے کام لیا، کیونکہ ان تمام حضرات میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جسنے نگار کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کی ہو۔ اور مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ کہا جاتا ہے یہ سب ظن وقیاس اور عوام کی افواہ کا نتیجہ ہے جو ہمیشہ بے معنی ہوا کرتی ہے یا پھر دیدہ ودانستہ کتمان حقیقت ہے اور۔۔۔ میرے خلاف میری ہی تحریر کی غلط تعبیر جو ممکن ہے اصول جنگ کے لحاظ سے ان کی شرع متین میں جائز قرار دیدی گئی ہو۔ جنھوں نے بمصداق "اس کا ثواب نذر کروں گا حضور کی" شاید میرے خلاف تبلیغ واشاعت ہی کے ذریعہ سے اسمانی فردوس میں ایک قصر تازہ کی تعمیر کا عزم راسخ کرلیا ہے

ہمارے مسٹر عبد الماجد صاحب دریابادی (زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا!) نگار کی الحاد پروری کا ذکر تو اکثر کرتے رہتے ہیں، لیکن کیا کبھی کوئی ضعیف سی کوشش انھوں نے اس امر کی بھی کی ہے کہ وہ عصبیت سے علٰحدہ ہو کر میرے خیالات پر غور فرماتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ میرا حقیقی مقصود، اسلام کی خدمت ہے یا اس کی تخریب وتوہین۔ مجھے حیرت ہے کہ باوجود اینہمہ دعوائے ادبیت وتفلسف وہ تعصب مذہبی کے زیر اثر یہ بھی نہ غور کر سکے کہ جن مضامین کے اقتباسات وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ انھیں سے انکی

تردید ہوتی ہو۔ میر بکائی کے نکاہی مضمون میں خدا کے متعلق جو خیالات پریشاں ظاہر کیئے گئے ہیں وہ ایک دیوانہ یا مخبوط الحواس کی طرف سے ہیں جیسا کہ مضمون کی ابتدا میں ظاہر کر دیا گیا ہے، اور مضمون سے جو نتیجہ پیدا کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ انسان خدا کو جو چاہے کہے، جس اصول کے ماتحت چاہے مطالعہ کرے لیکن آخر کار وہ خدا ہے اور وہی کرتا ہے جو اسے منظور ہوتا ہے ———— میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس "وانشمر شکاری" کو علیحدہ کر کے صرف "لا تقربوا الصلوٰۃ" پیش کرنے والی ذہنیت جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کو کس مدرسہ میں زانوئے ادب تہ کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ اسی طرح انھوں نے دوزخ و جنت کے متعلق میرے خیالات کے سمجھنے میں غلطی سے کام لیا ہے (گو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ غلطی قصد و ارادہ کے ماتحت تھی یا تعصب و نا انصافی کی بنا پر) میرا مقصود ان مضامین سے یہ تھا کہ جن غلط روایات کی بنا پر دوزخ و جنت کا مفہوم عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ کس قدر مضحک، اور اسلام کی شان کے منافی ہے۔ پھر جب تک کہ جناب دریابادی یا انھیں کی طرح کوئی اور حامی دین یہ نہ ثابت کر دے کہ واقعی دوزخ و جنت کا تعلق مادی لذات سے ہے، اس وقت تک میرے اُن مضامین کو توہین مذہب یا مخالفت اسلام کی صورت میں کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا بھی سخت غلط بیانی ہے کہ میں امام بخاری کا مخالف ہوں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ نہ صرف بخاری بلکہ تمام کتب احادیث بحالت موجودہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ انپر کلیۃً اعتماد کر کے کسی مذہب کے اصول کو پیش کیا جا سکے علی الخصوص مذہب اسلام جو دنیا کا تنہا فطری مذہب ظاہر کیا جاتا ہے۔ کیا جناب دریابادی کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ صحاح ستہ میں جتنی احادیث درج ہیں وہ واقعی وہی ہیں جو ان کے جامعین نے فراہم کی تھیں اور ان میں بعد کو تدلیس و تحریف، حذف و اضافہ کچھ نہیں ہوا۔ یقیناً اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا اس لیئے میری مخالفت نہ امام بخاری سے ہے نہ ان کے مجموعۂ احادیث سے بلکہ صرف اس خیال سے کہ کیوں بغیر تنقید کے ہر قول کو رسول اللہ سے منسوب کر کے مذہب اور رسول کی توہین کی جائے اور کیوں ایک ایسے شخص کو جو بغیر سمجھے ہوئے احادیث کو احادیث ماننے کے لئے تیار نہیں، مذہب کا مخالف قرار دیا جائے۔ بخاری کے درس سے ترک مذہب کا درس اسی لحاظ سے کہا گیا کہ یہ حالت موجودہ اگر شروع سے لیکر آخر تک تمام احادیث کو صحیح تسلیم کرنے پر انسان کو مجبور کیا جائے تو اس کا نتیجہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو وہ مذہب کا خیال ترک کر دے گا۔ اور اگر ایسا نہ کرے گا تو پھر وہ جس مذہب کا پیرو ہوگا اُسے اسلام تو کسی طرح نہیں کہہ سکتے اور جو نام چاہے اس کا قرار دے لیجئے

اسی طرح جناب عبدالماجد صاحب نے ۲۵ ستمبر کے سچ میں میرے خلاف اور جو الزامات قائم کیئے ہیں وہ سب تحریف مفہوم کا نتیجہ ہیں۔ اور میرے مقصود سے بالکل علیحدہ۔ میں نے جن اکابر ملت کی طہارت و عصمت کی داستانوں کا ذکر کیا ہے، اُن سے مراد صرف آجکل کے بعض ایسے نام نہاد علماء کرام ہیں جو صداقت کو محو کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اور جن کا باطن ان کے ظاہر سے بالکل مختلف ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سلسلہ میں انھوں نے ابو حنیفہ وغیرہ کو کیوں شامل کر لیا، کیا عبارت کے سیاق و سباق سے وہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ میری مراد اکابر ملت سے کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگست ۳۲ء کے ملاحظات میں اپنا ذکر دیکھ کر وہ بیتاب ہو گئے۔ اور فرط غضب میں محض انتقام لینے کیئے انھوں نے میرے فقرہ کا محل بدل کر خواہ مخواہ ایسے معنی پیدا کیئے جو لوگوں کو مشتعل کر دینے والے ہوں۔

. . . .

. . . .

. . . .

پھر یہ سب کچھ جاننے دیکھنے میں مانتا ہوں کہ جو کچھ میں لکھتا ہوں یا جو مضامین "نگار" میں شائع ہوتے ہیں وہ یکسر الحاد و شرک ہیں لیکن خدارا کبھی ان کا جواب دینے کی بھی تو سعی فرمائیے۔ میرے اضطراب کو تو دور کیجئے۔ بفرض محال یہ بھی مان لیجئے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں، تو کیا آپ کا فرض بہ حیثیت ایک مسلم ہونے کے یہ نہیں ہے کہ میرے شبہات کو دور کریں، مجھے راہ راست پر لائیں یا یہ فرض صرف اس طرح پورا ہو جاتا ہے کہ مجھے ملحد و مرتد بنا کر خدا کے حوالہ کر دیا جائے۔ اور "نگار" کے مطالعہ کو حرام قرار دے کر میری تاریک ذہنیت میں اور اضافہ کیا جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ یہ کس نوع کی خدمت اسلام ہے، یہ کس انداز کی تبلیغ ہے

تمام رسائل میں صرف "معارف" ہی ایک رسالہ ایسا ہے جو کبھی کبھی جواب دینے کی زحمت گوارا کرتا ہے۔ اور محض "کفر گری" کو ذریعہ حرب و دفاع قرار نہیں دیتا، لیکن افسوس ہے کہ نگار میں جس نقطۂ نظر سے گفتگو ہوتی ہے۔ اس سے وہاں بھی اعتنا نہیں کیا جاتا اور اس لئے میری تشنہ کامیاں بدستور باقی رہتی ہیں

میرا دعوےٰ یہ ہے کہ تمام مذاہب عالم میں، اسلام ہی صرف ایک مذہب ایسا ہے جو وقت و زمانہ کا ساتھ دینے والا ہے۔ اور یہی ایک تنہا مسلک ہے جس نے اخوت عامہ اور انسانیت کبریٰ کو منزل حقیقی قرار دے کر ساری دنیا کو اشتراک عمل کی دعوت دی۔ اور اسی اعتقاد و یقین کے ساتھ میں تمام اصول و شعائر پر نگاہ ڈالتا ہوں ——— یوں تو ایک مولوی بھی بظاہر یہی کہتا ہے لیکن جب تک وہ یہ دعوےٰ نہ کرے مذہب اسلام کا امتیاز اور اس کی ہمہ گیری کیونکر ثابت ہو سکتی ہے، لیکن جس وقت اصول و عقائد، شعائر و عمل کا سوال آتا ہے تو پھر اس کا چہرہ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ جو یقیناً کسی پیرو اسلام کا نہیں ہو سکتا

اس لئے اس وقت جو برہمی علمائے کرام کی میرے خلاف ہے، اس کا سبب حقیقتاً یہ نہیں ہے کہ میں اسلام کا مخالف ہوں، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں کیوں ان کے سامنے سر بسجود نہیں ہوتا، اور میں کیوں اسلام کو ان کے عقول کا پابند نہیں سمجھتا۔ جن حضرات نے نگار کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں اگر اسلام نام صرف یزدان پرستی کا ہے تو اس کے مستند شواہد اس میں نظر آ سکتے ہیں، لیکن اگر اسلام کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اب پھر کہتا ہوں اور فاش و برملا کہتا ہوں کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں اور نہ دنیا میں کوئی انسان مسلمان ہو سکتا ہے

آج زمانہ جس دور اضطراب سے گزر رہا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ پھر کوئی بت شکن نبی پیدا ہو۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ کوئی مذہب شکن رسول آ لے اور دنیا سے اس مذہبیت کی گرانباری کو دور کر دے جس نے دنیا کا امن و سکون غارت کر رکھا ہے۔ پھر اگر آپ ایسے نازک وقت میں اسلام کی کوئی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں اور اپنے اس دعوے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا نصب العین دنیا میں امن و سکون قائم کرنا ہے تو اس کی صورت وہ نہیں ہے جو آپ لوگ اختیار کرتے ہیں، بلکہ اس کی تدبیر

یہی ہے کہ

یک دو نفس نالہ شو از دل دیوانہ بر آ

اسلام کے چہرہ کو اُن تمام داغوں سے پاک کیجئے۔ جنہوں نے اس کے اصلی خط و خال کو پوشیدہ کر رکھا ہے، اور وہ حقیقی سادگی، وہ بلند نظری، وہ فراخ دلی اور علوے نگاہ پھر پیدا کیجئے۔ جو اسلام کے عناصر ترکیبی تھے۔

اس وقت تک کہ آپ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے مثلث مثلاً صرفؔ "بہ آواز دولاب مستی کنند" کو اپنا ایمان قرار دئے ہوئے ہیں۔ اور کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ آپ کے ان حرکات مذبوحی پر جرح و تنقید کرے، اور آپ میں آکر شامل ہو، یقیناً آپ بالکل محفوظ ہیں اور کسی کو چون و چرا کی گنجایش نہیں۔ لیکن اگر آپ نے کبھی یہ دعوے کیا کہ آپ اپنے اصول کی تبلیغ بھی چاہتے ہیں تو پھر معاف کیجئے اس وقت آپ کا مجھے کافر و ملحد کہدینا، نگار کے خلاف لغو و غلط پروپاگنڈا قائم کرکے عوام میں ہیجان پیدا کر دینا، مفید مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ اس وقت دماغ انسانی جس اضطراب میں مبتلا ہے، اُس کی تشفی آپ کے پروپاگنڈا سے نہیں۔ بلکہ نگار ہی کے مطالعہ سے ہوسکتی ہے ——— پھر ممکن ہے کہ آج کا .... بول اس کی قدر نہ کرے۔ لیکن ایک وقت آئے گا۔ جب نگار کے صفحات ہی میں آپ کو پناہ لینا پڑے گی۔ اور آپ کے پاس کوئی ذریعۂ دفاع نہ ہوگا۔ مگر وہ جسے نگار اور صاحب نگار قائم کرچکا ہے۔ وذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کلام اللہ کے بعد جس مذہبی لٹریچر (یعنے مجموعۂ احادیث) کو اپنا مقصود سمجھے ہوئے ہیں، اس نے اسلام کی جڑوں کو کس قدر متزلزل کر دیا ہے۔ عیسائیوں کے اعتراضات، آریوں کے حملے، اور تمام غیر مسلم اقوام کی نکتہ چینیاں کلام مجید پر اتنی منحصر نہیں ہیں جتنی احادیث پر اور حقیقت یہ ہے کہ آجتک ڈاکٹر ٹسڈل کی مشہور کتاب ینابیع الاسلام کا جواب ہمارے ہاں کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے بن نہیں پڑا کیونکہ اس کے تمام اعتراضات کا بڑا ماخذ مجموعۂ احادیث ہے اور آپ اس پر مجبور ہیں کہ جو واقعہ یا لفظ رسول اللہ سے منسوب کر دیا گیا ہے اُسے غلط نہ قرار دیں خواہ وہ کتنا ہی لغو و مہمل کیوں نہ ہو ——— یعنی یہ تو آپ گوارا کرسکتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد کھوکھلی ہوجائے، رسول اللہ کی توہین ہوجائے لیکن مجموعۂ احادیث پر آپ سے کبھی تنقید نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی دوسرا اس کی جرأت کریگا تو اسے ملحد، بیدین، فتنۂ نگار، اور خدا جانے کیا کیا کہیں گے۔ درانحالیکہ ان تمام الفاظ کا بہترین مصرف تو واضعین احادیث ہی کے ذات بابرکات ہوسکتی ہے

بہر حال میں ان تمام معذرت نگاریوں کے بعد بھی ہر وقت اپنے آپ کو ایک مبتدی طالب علم سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور اس کے لئے تیار ہوں کہ ہندوستان کا کوئی ایک مولوی یا مولویوں کی کوئی بڑی سے بڑی جماعت مجھے سمجھا دے اگر میں غلطی پر ہوں، لیکن اس کا طریقہ شاید یہ نہیں ہے جو آپ لوگ اختیار کر رہے ہیں۔

میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ مذہبیات کے سلسلہ میں اس مقصود سے ہٹ جاؤں جس کا نام میں نے صرف معرفت انسانی رکھا ہے، اور خواہ مخواہ وہ الجھنیں عوام کے سامنے لے آؤں جو مجموعۂ احادیث اور ہمارے علماء کرام کی تنگ نظری سے پیدا ہوگئی ہیں، لیکن چونکہ

اہل مذہب نے اب میرے خلاف کھلی ہوئی جنگ قائم کردی ہے۔ اور مصلحت نہیں کہ خاموش رہوں ——— اس لئے میں تمام علماء کرام کو چیلنج دیتا ہوں کہ اشاعت آیندہ سے جو سلسلۂ جدید بہ عنوان "اسلام دوسروں کی نگاہ سے" شروع ہوگا۔ اس کا جواب دیں اگر ان کے امکان میں ہے، اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو میں سمجھوں گا۔ کہ ایک بڑی دینی خدمت اس طرح انجام پائی اور ناکام رہے تو پھر دنیا خود جان لیگی کہ اسلام کا دشمن حقیقتاً کون ہے۔ وہ جو صاحب نگار کو کافر کہتا ہے۔ یا وہ جو کافر بن کر بھی خدمت دین سے باز نہیں آتا۔

میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ میرے اور نگار کے خلاف تمام ملک کے اخباروں میں ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ لکھنؤ میں تو متفقہ و متحدہ قوت کے ساتھ تمام جماعتوں نے مظاہرے شروع کئے کہ مجھے افسوس بھی ہوا۔ اور خوشی بھی۔ افسوس اس لئے کہ میری تحریریں کیوں اتنے لوگوں کے لئے باعث دل آزاری ثابت ہوئیں۔ اور مسرت اس لئے کہ مسلمانوں میں ہنوز اتنا جوش باقی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے مزعومات کے خلاف (خواہ وہ مزعومات کیسے ہی ہوں) کسی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوجاتے ہیں۔ (خدا کرے کوئی شخص اس جوش سے بہتر کام لینے والا ہم لوگوں میں پیدا ہوجائے۔ اور اس کو ذاتی اغراض و نفسانی جذبۂ انتقام پر صرف نہ ہونے دے) چونکہ میں قدرتاً ذہنی یا علمی جنگ کے علاوہ کسی ایسے ہنگامہ کو پسند نہیں کرتا۔ جو کسی فرد یا جماعت کی عمرانی زندگی میں اختلال پیدا کردے۔ اور چونکہ موجودہ مظاہرے کھلے ہوئے دو ذہنیتوں کے تھے جن کی باہمی آویزش خطرناک نتائج پیدا کرنے والی تھی۔ اس لئے جس وقت میرے بعض مخلص احباب کا وفد مشاورت صلح کے لئے آیا تو چونکہ اس دوران میں مجھے کافی تجربہ ہوچکا تھا کہ مسلمانوں میں ہنوز ذاتی بیداری پیدا نہیں ہوئی ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر تبلیغ و اشاعت مذہب تو خیر بڑی چیز ہے، کم از کم "لا اکراہ فی الدین" ہی کا صحیح مفہوم عملی زندگی میں متعین کرسکیں۔ اس لئے میں نے اظہار رضامندی میں مطلق پس و پیش نہ کیا، کیونکہ جب دوا کی تلخی ناقابل برداشت ہو تو طبیب کو اپنے نسخہ میں تبدیلی پیدا کرنا ضرور ہے

اس دوران میں بعض مضامین کی وجہ سے لوگوں کو شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ کہ اُن سے بعض منصوصات مذہب کو صدمہ پہونچتا ہے۔ خود میں نے بھی اس مسئلہ پر غور کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ میں جس نقطۂ بلند سے اسلام و تعلیمات اسلام کی صداقت و حقانیت کو دیکھتا ہوں وہاں تک پہونچنا آسان نہیں، اس لئے میں نے پوری طرح محسوس کیا کہ یقیناً میرے بعض مضامین کی بحث سے حضرات کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ اور مجھے اس کا اعتراف ہے۔ کہ جس طریق کار کو میں نے خالصۃً محض مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اختیار کیا تھا۔ ہنوز اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ یا یہ کہ اسی کو کسی دوسرے لب و لہجہ یا اسلوب تحریر کے ساتھ پیش کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔

بہرحال ان حالات کے ماتحت میں ان تمام حضرات کو جن کو اس وقت تک میرے مذہبی مضامین سے کسی قسم کی تکلیف پہونچی ہے۔ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا مقصود ہمیشہ سے صرف خدمت اسلام رہا ہے۔ اور رہیگا۔ لیکن آیندہ میں جن خطوط پر اس خدمت کو انجام دینا سوچ چکا ہوں وہ کچھ مختلف ہوں گے یعنی اب میرے مضامین سے کوئی ظاہری تاویل کسی کی دلآزاری کی پیدا نہ ہوسکے گی

اس لئے ناظرین نگار میں سے وہ حضرات جنھوں نے تنقیدات مذہبی کو ہمیشہ پسند کیا ہے مطمئن رہیں کہ یہ عنصر کچھ کمی کیساتھ ہنوز نگار میں باقی رہیگا اور غالباً زیادہ خوبی کے ساتھ اور وہ حضرات جو اس سلسلہ کو اشتداد لہجہ کی وجہ سے پسند نہیں کرتے۔ اُن کو بھی مطمئن ہوجانا چاہئے کہ آیندہ اس شکایت کا

موقع الخیں نہ ملے گا

میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے اور لکھنؤ پبلک کے درمیان جو گفتگوئے صلح ہو رہی ہے، وہ پوری ہوگی بھی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس نوع کا اعلان کن الفاظ میں مجھ سے چاہا جائے گا، لیکن میں بلا لحاظ اس کے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ آیندہ کے لئے اپنا طرزِ عمل ناظرینِ نگار اور تمام ملک کے سامنے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ اور اگر اس وقت تک کسی کے جذبات کو میری طرف سے صدمہ پہونچا ہے تو میں اظہارِ تاسف کرتا ہوں اور اُن لوگوں کو جو مجھے میری تحریروں سے کافر و ملحد ثابت کرنا چاہتے ہیں (جیسا کہ میں نے اکثر و بیشتر ظاہر کیا ہے) پھر ایک بار اور ہمیشہ کے لئے یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ بحمد اللہ میں مسلمان ہوں اور انھیں تمام اصولی شرائط کے ساتھ جو ایک شخص کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کرنے کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی جماعت نے میری تحریروں سے اس کے خلاف کوئی مفہوم پیدا کیا ہے اور وہ اب بھی میرے کفر و ارتداد پر یقین رکھنے کے لئے مُصر ہے۔ تو میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو شاہد بنا کر باوازِ بلند کہنا چاہتا ہوں کہ

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا واخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوۃ علی نبیہ الکریم

نیاز

سمن الغرض قرارداد امور تنقیح طلب

مقدمہ نمبر ۵۲ سنہ ۱۹۳۱ء

بعدالت جناب سید خورشید حسین صاحب بہادر جج ماتحت اُناؤ مقام اُناؤ

رامیشر ولد چنی لال قوم برہمن ساکن موضع سے بسو پرگنہ بلہور ضلع کانپور مدعی

بنام

شنکر پرشاد وغیرہ مدعا علیہ

(۱) شنکر پرشاد ولد بیجنا تھ } قوم برہمن ساکن موضع کھیرا کاڈا پرگنہ فتحپور چوراسی ضلع اوناؤ (۳) جناکا پرشاد ولد بند قوم برہمن ساکن نگر دیہ تیم
(۲) مسماۃ شیو دئی بیوہ بھولا } پرگنہ فتح پور چوراسی ضلع اوناؤ۔

بنام (۴) مسماۃ رام دلاری بیوہ مہیشر پرشاد قوم برہمن ساکن موضع کمال پور پرگنہ بانگرمؤ ضلع اوناؤ

(۵) جودیا ولد ڈمر قوم اہیر ساکن موضع کھیرا کاڈا پرگنہ فتحپور چوراسی ضلع اوناؤ۔ مدعا علیہم نمبر الغایۃ ۴ و ۶

واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت بیعبات کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۵ ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء وقت ۱۰ بجے بر اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو۔ اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کیجاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر بتائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر روز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہوگا۔

آج بتاریخ ۱۸ ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

(نصاب زکوٰۃ و عشر)

قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر اس تواتر کے ساتھ آیا ہے کہ بہت کم آیتیں قرآن شریف کی ایسی ہوں گی جہاں نماز کی تاکید کے ساتھ زکوٰۃ دینے کی تاکید نہ کی گئی ہو۔ قرآن نے اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ اور صدقہ میں کوئی تخصیص نہیں کی ہے۔ اور ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا ہے۔ مگر جس طرح نماز کی ترکیب کی کہیں صراحت قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اس طرح نصاب زکوٰۃ کا ذکر بھی کہیں نہیں ہے۔ حالانکہ مستفسرین نے اس کو دریافت بھی کیا جس کا قرآن شریف نے یہ جواب دیا ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ کذلک یبین اللہ لکم الآیت لعلکم تتفکرون (بقر۔ رکوع ۲۶۰)۔

اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنی زکوٰۃ دیں۔ کہدو جتنا تم سے ہو سکے۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھولکر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔

پوچھنے والوں کی اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ دوبارہ دریافت کیا۔ پھر جواب ملتا ہے

یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل وما تفعلو من خیر فان اللہ بہ علیم۔ (بقر۔ رکوع ۲۵۶)

کیا اس سے زیادہ اور وضاحت کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو بتایا جاتا کہ خیرات کوئی سرکاری انکم ٹیکس نہیں ہے بلکہ تمہاری رافت ہمدردی اور نیکدلی کا نتیجہ ہے۔ تم جتنا چاہو دو۔ اسکا دینا البتہ تمہارے اوپر ایسا ہی فرض ہے جیسا تمہاری نماز۔ قرآن نے کیوں اس نصاب سے اعراض کیا جس سے فقہ اور حدیث کے اوراق بھرے پڑے ہیں کیا قرآن کے لئے یہ بتانا ممکن نہ تھا۔ کہ تم ڈھائی روپیہ سیکڑہ اپنے اس مال میں سے ادا کرو جو تمہارے پاس سال کے آخر تک باقی رہے۔ اس خاموشی کی کیا مصلحت تھی یا کم سے کم اگر نصاب نہ بتایا تھا تو اس کہنے میں کیا حرج تھا کہ تم زکوٰۃ اسی شرح سے ادا کرو جو تم سے مانگی جائے۔ البتہ قرآن شریف کے سورۃ براءت آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے مصرف کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمولفۃ قلوبہم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ

زکوٰۃ ان مصارف کے لئے ہے۔ فقرا مساکین۔ زکوٰۃ کے محصلین مولفۃ القلوب۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے۔ مقروض۔ مسافر و غریب الدیار

وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (توبہ)　　اور راہ خدا میں۔ یہ خدا کا فرض ہے اور خدا حکیم و علیم ہے۔

سورۂ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ جس میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اور زکوٰۃ کے مصرف علیحدہ علیحدہ بتائے گئے۔ منجملہ اور مصارف کے اس کا ایک مصرف یہ بھی ہے کہ محصلین زکوٰۃ کو اس مد سے تنخواہ بھی دی جائے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ قرآن نے زکوٰۃ کی اس صورت کو بھی تسلیم کیا ہے جو سلطنت کے انکم ٹیکس پر مبنی تھا۔ لیکن اگر زکوٰۃ سے ایک وقت میں انصرام سلطنت اور تجہیز جیوش اسلامی کا کام لیا گیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ زکوٰۃ کا صرف یہی مصرف رہ گیا۔ کیا اگر ایک اسلامی سلطنت نے دوران جنگ .... میں مجروحین کے لئے بعض مساجد کو خستہ خانوں میں تبدیل کر دیا۔ تو اس ضرورت کے رفع ہونے کے بعد وہ مسجد کے کام میں پھر نہیں لائی جا سکتی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جنگ کے اخراجات کے لئے زکوٰۃ مثل انکم ٹیکس کے وصول کی گئی ہو۔ مگر تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عثمان رض نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المال و عاملین زکوٰۃ کو موقوف کر دیا تھا اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ بطور خود زکوٰۃ کا روپیہ جس مستحق کو چاہیں دے دیں۔ جب حضرت عثمانؓ نے پرانے طرز عمل کو ترک کرنے میں نہ سنت سے انحراف کیا اور نہ قرآن سے تو کیا ہم اس سے آگے قدم بڑھا نہیں سکتے یعنی ان سارے … کو جو فقہاء نے زکوٰۃ پر قائم کئے ہیں علیحدہ کر کے اس کے اصل مفہوم یعنی صدقہ اور خیرات کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ کو ایک ملکی انکم ٹیکس میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس مفہوم کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ اسلام اسلامی سلطنت میں محدود ہو۔ مگر موجودہ صورت میں جبکہ اسلام اسلامی سلطنت کے حدود سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اسی پرانی لکیر کو پیٹے چلے جانا جو اس زمانے کی یادگار ہے جبکہ ہمارے فقہاء کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ اسلامی سلطنت سے باہر بھی اسلام کا ہونا ممکن ہے۔ حماقت ہے بجائے اس کے کہ اس کی تردید میں نظری دلائل پیش کئے جائیں۔ اسقدر کہنا کافی ہے کہ اسلامی دنیا کی موجودہ صورت ان تمام خرافات کے منافی ہے جنہوں نے دار الحرب کے سلسلہ مسائل میں ایک وقت اسلام کو قومی و سیاسی مذہب کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اسوقت اسلام دنیا کی کسی ایک قوم میں محدود نہیں اور نہ ایک سلطنت کے حدود کے اندر ہے بالفعل مسلمانوں کی آبادی کا ۹/۱۰ حصہ اسلامی سیاست کے دسترس سے باہر ہے۔ لہذا اسلامی سلطنت سے باہر اسلام کا قیام ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار روز روشن کا انکار ہے۔ اور اس سواد اعظم اسلام کا کام بغیر سلطان اسلام کے چل رہا ہے۔ نہ صرف چل رہا ہے بلکہ ان میں عمرانیت و مذہبی آزادی ان ممالک سے زیادہ ہے جہاں مسلمانوں کی سلطنتیں ہیں۔ اس لئے دار الحرب و دار الاسلام کی تفریق اور دار الحرب میں قیام کی ممانعت اور وہاں سے ہجرت کی فرضیت وغیرہ وغیرہ کو اب بالکل نسیاً منسیاً کر دینا چاہئے۔

اسلام کا تعلق ملکی سیاست سے بتلانا جبکہ ہمارے سامنے خود ہندوستان کی سیاست کی مثال موجود ہے اس سے زیادہ عبث ہے۔ جتنا دار الحرب کے مسئلے پر گفتگو کرنا۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ہندوستان کا اسلام ناقص ہے یا مسلمانان ہندوستان پر ہندوستان سے ہجرت کر جانا فرض ہے۔ باوجودیکہ یہاں نہ کوئی سلطان ہے نہ مفتی نہ قاضی نہ محتسب نہ جلاد۔ ہاں چند پرانی وضع کے مولوی پرانی لکیر پیٹے چلے جا رہے ہیں۔ مگر انکا وجود و عدم برابر ہے۔ نہ انہوں نے کبھی علم و تمدن کا ساتھ دیا اور نہ علم

وتمدن نے انکا ساتھ دیا۔ جاہلوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہے جو ان کی طاقت کو تباہ رہی ہے۔ ورنہ ان کو نہ مسلمانوں کے مال پر اختیار رہا۔ اور نہ ان کی آبرو پر۔ تعزیرات ہند نے انکی لئے کوئی دفعہ مستثنیات میں سے نہیں رکھی۔ اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اسکیم تنظیم جماعت اسلامی کی عرصہ ہوا مجھ کو ہی سوجھی تھی۔ جبکہ خلافت ترکیہ میں تغیر و تبدل ہو رہا تھا۔ اسکو میں نے معارف کے صفحات پر پیش کیا تھا۔ مگر آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ وہ خیالات بھی خلافت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ اگرچہ اس کے بعد ہی امرتسر کے چند جوشیلے مسلمان اس کی تشکیل کے لئے کمربستہ ہوئے۔ لیکن سعی اچھا ہوا کہ بارآور نہ ہوئی کیونکہ مجھے فوراً اپنی غلطی اور اسکیم کی خطرناکی سے انتباہ ہوا اور اب تو میرا یہ خیال ہے کہ اسلامی قومیت توسیع اسلام کے لئے سنگ راہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت قومیت کا رنگ اختیار کرکے اپنی جماعت کو وسیع کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہے اور قومیت کی جتنی برائیاں اور لعنتیں ہیں ان سب کا حامل ایک ایسا مذہب کر دیا جاتا ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے پیام امن ہے۔ خیر یہ تو ضمنی گفتگو تھی، اصل بحث یہ ہے کہ نصاب زکوٰۃ متعین ہونا چاہئے۔ اگر حدیث سے اس کی تعیین ثابت ہو تو وہ موقوف ہے ایک وقت و زمانہ کے لئے۔ اور یہ کہ اب زکوٰۃ کا مفہوم اسلامی سلطنت سے باہر اور موجودہ اسلامی سلطنت میں صرف خیرات ہے جو مسلمانوں پر جب کہ وہ مستطیع ہوں ہر وقت فرض ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی زمانہ درکار ہے اور نہ کوئی نصاب عامل بالقرآن کی زکوٰۃ تمام وہ مصارف روزانہ میں جو خیراتی فنڈ میں دے جاتیں۔ فقہ اور حدیث نے زکوٰۃ کو جو صورت دی ہے۔ وہ درحقیقت اب اس جگہ پر رکھے جانے کی قابل ہے جہاں انکم ٹیکس ہیں اور انکم ٹیکس بیٹھے ہیں زکوٰۃ کے نصاب میں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ شریعت یہود اور قوانین نوشیرواں جیسی نین پر کہاں تک فقہائے اسلام نے عمل کیا۔ خصوصاً یہود کا عشر جس کے متعلق قرآن نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اگر رسول اللہ صلعم سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جو غلہ آسمان یا چشموں کے پانی سے پیدا ہوا اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جو غلہ سینچنے سے پیدا ہو تو اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ (ابن ماجہ)

یہ گویا بالکل شریعت یہود کا چربہ ہے جس کو قرآن سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر ایک سلطنت غلہ پر کوئی ٹیکس وصول کرتی ہے۔ تو اسلام اور مذہب کو اس سے کیا۔ مگر شاید اس قسم کی احادیث کا مطلب یہ تھا کہ عوام کو مذہب کے ذریعہ سے سلطنت کا مطیع بنایا جائے۔ لیکن اگر اس طرح سلطنت کی طرفداری کی گئی تھی تو کیا یہ زیبا نہ تھا کہ سلطنت کو بھی مذہب سے ڈرایا جاتا اور ان کو منع کر دیا جاتا کہ عشر وصول کرکے اس سے حرم کے لئے خوبصورت لونڈیاں خریدی جائیں اور علما کو رشوت نہ دی جائے۔ بلکہ مفلوک الحال مسلمین کی پرورش پر وقف کر دیا جائے۔ عشر درحقیقت یہودیوں کی ایجاد نہیں۔ اہل بابل و مصر بھی اتنا ہی حصہ اپنے دیوتاؤں پر چڑھاوا چڑھانے کے لئے الگ کر دیتے تھے۔ اور جیسا کہ کتاب خروج سے معلوم ہوتا ہے، یہود بھی بالکل یہ ہی چڑھاوا چڑھایا کرتے تھے۔ اسکے مقابل اگر قرآن شریف میں کچھ کہا گیا ہے تو وہ مال غنیمت پر خمس تھا۔ جیسا ارشاد ہوتا ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم اٰمنتم باللہ ۔ (سورۂ انفال۔ آیت ۴۱)

یہ لطیفہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ بعض اوقات ایسے احکام جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے - خود بخود ترک ہو جاتے ہیں - ہندوستان میں کوئی مسلمان کاشتکار اپنی کھیتی کا عشر نہیں دیتا - باوجودیکہ حدیث میں اس کی صراحت ہے اسی طرح حدیث نے جس بات سے منع کیا ہے - اس سے مسلمانوں کو کچھ بھی اکراہ نہیں - چنانچہ زمین کو کرائے پر دینا حدیث میں ممنوع ہے - جیسا مسلم کی اس روایت سے ظاہر ہے -

ابن عمر اپنی زمین کرائے پر دیا کرتے تھے - پھر ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کھیتوں کو کرائے پر دینے سے تو ابن عمر گئے اور میں بھی (یعنے راوی) ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ بلاط (ایک مقام ہے مدینہ میں مسجد نبوی کے پاس) میں رافع سے ملے اور ان سے یہ حدیث پوچھی - انہوں نے کہا ہاں آنحضرت نے منع کیا کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے - آخر ابن عمر نے کھیتوں کو کرایہ پر دینا چھوڑ دیا " مگر کوئی مسلمان اس پر عمل نہیں کرتا - حالانکہ یہ روایت سوشلزم کی جان ہے -

قرآن کو چھوڑ کر دوسروں کے اقوال کی تقلید کا نتیجہ اکثر ایسا ہی ہوا ہے - کیونکہ انسانی اقوال انسانی طبیعت کے اختلاف پر نظر نہیں کرتے - وہ اپنے اوپر تمام انسان کی طبیعت کو محمول کرتے ہیں - اور قرآن کے خلاف منشار تشدد سے کام لیتے ہیں - نتیجہ یہ رہتا ہے کہ مسلمانوں کا بڑا حصہ سرے سے اس فرض کو ہی ادا نہیں کرتا - مسلمانوں میں بالعموم جو نماز و روزہ کی پابندی میں ہے - اس کا بھی یہی سبب ہے کہ ان پر قرآن سے زیادہ تشدد کیا گیا اور انہوں نے اس کی وجہ سے اصل فرض کو بھی گم کر دیا -

نصاب زکوٰۃ کی جو صراحت فقہا نے کی ہے - مجکو کوئی حدیث . . . . اس کی تائید میں نظر نہ آئی البتہ انس سے مسلم میں ایک روایت ہے - جسکی تائید ابن عمر کی روایت سے بھی ہوتی ہے - دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک نے ابوبکر صدیق کا نام لیا ہے اور دوسرے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا - انس کی روایت یوں ہے -

"ابوبکر صدیق نے میرے واسطے لکھا - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ فرض زکوٰۃ کا بیان ہے جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا - اور اللہ نے اس کا حکم اپنے رسول کو کیا جب اونٹوں کی عمروں میں فرق ہو اور اس کے پاس صرف تین برس کی اونٹنی ہو تو وہی لے لی جاویگی - اور دو بکریاں اور لیجاویگی - اگر اس کے پاس ہوں - ورنہ بیس درم لئے جاویں گے - اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہے (یعنی چالیس سے ساٹھ تک) اور اس کے پاس تین برس کی اونٹنی نہو تو اس سے دو برس کی اونٹنی لی جاویگی - اور دو بکریاں اور بیس درم اور جسکے پاس اتنے اونٹ ہوں جس میں دو برس کی اونٹنی لینا واجب ہوتی ہے (یعنی ۳۶ سے ۴۵ تک) اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی نہو لیکن تین برس کی اونٹنی ہو تو وہی لی جاویگی - اور زکوٰۃ تحصیل کرنے والا اس کو بیس درم پھیر دیگا اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہو جاتی ہے اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی نہو تو اس سے ایک برس کی اونٹنی لی جاویگی - اور بیس درم اس کو اور دینا ہوں گے یا دو بکریاں - اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں - جس میں ایک برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہے (یعنی ۲۵ سے ۳۵ تک) اور ایک برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو

لیکن دو برس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہو تو وہی اس سے لی جاویگی اور زکوٰۃ لینے والا اس کو بیس درہم یا دو بکریاں پھیر دیگا - اور اگر کسی کے پاس ایک برس کی اونٹنی موجود نہیں لیکن دو برس کا نر اونٹ موجود ہے تو وہ اس سے لے لیا جاوے گا - اور اس کو کچھ اور نہ دیا جاوے گا ''

یقیناً ان احکام کا تعلق مذہب سے نہیں ہو سکتا بلکہ محض سیاست و خراج ملکی سے ہے - محدثین نے اس کو ابوبکر صدیق سے بیان کیا ہے اور میں اس کو چشم بینی سے بیان کر سکتا ہوں پرانے ترکوں میں یہ ہی ٹیکس ''زکوٰۃ'' کہلاتا تھا - اور میں نے خود یہ ٹیکس انگریزی حکومت کی طرف سے جبکہ میں جنوبی کردستان میں ڈپٹی اسسٹنٹ پولیٹکل افیسر تھا - قبائل ہی یتیم سے وصول کیا ہے -

نصاب زکوٰۃ کا مدعا اگر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی پابندی بجائے عام تاکید کے ایک فرض خاص سمجھا جائے تو اس کو عملی حیثیت سے دیکھو اوّل تو انکم ٹیکس و خیرات میں باہم اتفاق کی صورت نہیں - ایک جبریہ ہے اور دوسرا اختیاری - کیا مسلمان بھی قاضی ابو یوسف کی طرح اس ٹیکس کے دینے میں حیلہ حوالہ کیا کریں گے یا حاجتمندوں کی حقیقی معنوں میں امداد کریں گے - فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس خیرات کرنے کو مال ہے مگر فقہ کی رو سے اس پر نصاب ابھی واجب نہیں ہوتا - تو تم ایسے شخص کو کیونکر خیرات کی طرف مائل کر سکتے ہو - حالانکہ ضرورت تو یہ تھی کہ اس کو زکوٰۃ کا مفہوم وہی بتایا جاتا - جس کے لئے نصاب و وقت کی کوئی قید نہ ہو -

آخر میں صرف اسقدر گزارش ہے کہ زکوٰۃ نماز کی طرح ایک فرض روزانہ ہے - عیسائیوں میں ہر اتوار کو جب نماز ختم ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ جمع کی جاتی ہے - اور وہ نیک کاموں میں خرچ ہونے کے لئے گرجا میں جمع رہتی ہے - کیا اس میں واقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ کی بو نہیں آتی - کیا تم بھی اپنی جمعہ کی نماز کے ساتھ ایک آدھ روپیہ زکوٰۃ کا نہیں نکال سکتے -

''حق گو'' (باقی)

نگار بُک ایجنسی کی زیر طبع کتابیں

چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کیساتھ اسمیں نہایت ہی دلکش انداز بیان کیساتھ انسانی سوسائٹی کے نظام، دنیا کے امن و سکون ہیئت اجتماعی کے اصول بہ انداز افسانہ کی زبان میں بحث کیگئی ہے اور ہر اُس شخص کو جو موجودہ مسائل ہند سے دلچسپی رکھتا ہے - اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے - یہ تالیف بھی حضرت نیاز فتحپوری کی ہے -

مادئین کا مذہب اسوقت ہر شخص کی زبان پر مادہ اور مادہ پرستی کے الفاظ چڑھے ہوئے ہیں، لیکن آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو سکے گا - کہ مادئین کا مسلک و مذہب کیا ہے اور وہ کس نگاہ سے عالم کو دیکھتے ہیں - اس کتاب کا طرز ادا اسقدر آسان و دلکش ہے کہ ایک بار شروع کرنا گویا ختم کر دینا ہے - یہ بھی جناب نیاز فتحپوری کے فکر و دماغ کا نتیجہ ہے -

گہنا اور دوسرے افسانے حضرت مجنوں گورکھپوری کے بہترین افسانوں کا مجموعہ - جناب مجنوں کی افسانہ نگاری ایک مخصوص دلکش انداز کی ہوتی ہے - جس سے ناظرین نگار بخوبی واقف ہیں یہ مجموعہ ۳۰۰ صفحات سے زائد کا ہے -

مینیجر نگار

ایک عجیب شادی

یوں تو آفتاب ہر صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور دنیا اور اس کے ہر گوشہ کو روشنی اور حرارت پہنچا کر تھکا ماندہ کسی مغربی شہزادی کے آغوش میں بیہوش ہو جاتا ہے مگر آج اس کی پہلی کرن اپنے ساتھ کچھ جدید پیغام لیے کر آئی۔ پہلی شے جس کو آفتاب کی پہلی کرن نے روشن کیا وہ کلکتہ کا ایک بوسیدہ مکان ہے جس میں ایک نوجوان سر جھکائے کسی خیال میں منہمک ہے۔ اسکا مرجھایا ہوا چہرہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اگر یہ شخص اسوقت نہیں تو کچھ دن قبل بیمار ضرور تھا۔

یک بیک اس نے سر اوپر اٹھایا اور یوں کہنا شروع کیا: "اگر میری پیدائش خدا کی ایک لایعنی حرکت ہے اور مقصود اس سے صرف تفریح ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس لغو حرکت کے لئے صرف میری روح کیوں منتخب کی گئی اور تفریح کا یہ سلسلہ کب تک قائم رہے گا"

اب وہ اٹھ بیٹھا اور زیادہ جوش کے ساتھ بولنا شروع کیا!

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں ذلیل ہوں۔ میری ہستی قابل استکراہ ہے۔ میرا وجود..... قابل نفریں ہے اور شاید مجھے کوئی حق نہیں کہ اپنی اس ذلیل شخصیت کو قائم رکھنے کی کوشش کروں۔ لوگ کہتے ہیں خودکشی بزدلانہ حرکت ہے ..... ہوا کرے.. .... میں سمجھتا ہوں کہ خدا سے انتقام لینے کا یہی ایک طریقہ انسان کے پاس ہے۔ دنیا امیدوں کی جولانگاہ ہے۔ نہیں غلط میں اس کو سراب سے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا۔ اس کی کل لذتیں عارضی اس کی تمام کیفیتیں ناپائدار .... پھر بھی انسان انہیں عارضی لذتوں کے حصول کے لئے بڑی سی بڑی قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے .... میں اپنی موجودہ حالت اور اس وقت کی حالت سے جب والد زندہ تھے۔ مقابلہ کرتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ آہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا"

جمشید انتہائی مایوسی کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اور جو کچھ زبان پر آرہا تھا بک رہا تھا۔ پھر وہ کچھ سنبھلا اور بولا

"بیس روز سے میں کلکتہ میں ہوں۔ اور نوکری حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکا۔ کونا کونا چھان مارا یہاں تک کہ طاقت اور جوتہ دونوں نے ایک ساتھ جواب دے دیا لیکن بیکار جو کچھ پاس تھا سب خرچ ہو گیا۔ اب میرے پاس والدہ کی نشانی ایک آئینہ رہ گیا ہے جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے مگر مجبور ہوں مجھے اس کو بھی علیحدہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہو گا، تاریکی... ....لاعلمی.... فراموشی..... اور اُس خدا پر بھروسہ جو کسی طرح بھروسہ کے قابل نہیں۔"

.... آئینہ ہاتھ میں لے کر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ بازار کو نکل گیا...

جمشید فضل بھائی کا اکلوتا لڑکا تھا - بیس سال قبل، فضل بھائی بمبی کے بڑے تاجر مانے جاتے تھے مگر کچھ عرصہ ہوا - طاعون کا شکار ہوگئے اور ان کے ساتھ ہی انکی دولت بھی ختم ہوگئی - فضل بھائی نے جمشید کی تعلیم و تربیت شہزادوں کی طرح کی تھی - اور اسکو ہر اس فن کا ماہر بنا دیا تھا جس کی ضرورت، عملی دنیا میں پڑتی ہے - چنانچہ اس کو گھوڑے کی سواری اور شکار کی بھی مشق کرائی گئی تھی

باپ کی موت پر وہ دل کھول کر ماتم بھی نہ کر چکا تھا کہ مکان بھی نیلام ہوگیا اور مجبوراً اُسے آوارہ ہونا پڑا - اس کے پاس صرف ایک جوڑہ کپڑا تھا اور چند روپیہ گھر سے نکلتے ہی پہلا خیال جو اس کے دل میں آیا وہ بمبئی چھوڑنے کا تھا - وہ سیدھا اسٹیشن گیا اور وہاں سے کلکتہ روانہ ہوا - کلکتہ پہنچ کر وہ ایک معمولی سے ہوٹل میں ٹھہرا اور نوکری کی تلاش میں لگا رہا - ابھی وہ کوشش کر ہی رہا تھا کہ دفعتہً بیمار ہوگیا -

آئینہ کے عوض اس کو اتنا مل گیا تھا کہ وہ سیر ہو کر دو وقت کھا سکے

لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کل کیا کرے گا - وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ہوٹل کا خادم اسکے پاس ایک خط لایا - وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید اس کی کسی درخواست کا جواب ہے - مگر وہ مایوس ہوگیا - کیونکہ لفافہ کے اندر صرف اخبار کا ایک ورق تھا - اخبار کے ایک حصہ پر سُرخ روشنائی سے چند نشان دیے تھے - جمشید اس کو پڑھنے لگا: لکھا تھا "ضرورت ہے ایک شریف تعلیم یافتہ نوجوان کی جو گھوڑے کی سواری اور شکار کی مہارت رکھتا ہو - معاوضہ معقول دیا جائے گا - ذیل کے پتہ پر اُمیدواروں کو کل دس بجے دن کو حاضر ہونا چاہیئے"

پتہ

مسٹر زماں - بار ایٹ - لا -

۲۱ رگمرین روڈ

کلکتہ

پڑھنے کے بعد جمشید کو تعجب ہوا کہ یہ اخبار اس کے پاس کیونکر پہنچا کلکتہ میں وہ بالکل اجنبی تھا - بھیجنے والے کو اس کا پتہ کیونکر معلوم ہوگیا، آخرش اس نے یہ سوچ کر تسلی کر لی کہ خدا کے کارخانے عجیب ہیں - صبح کو وہ اسی پتہ پر روانہ ہوا - اُمیدواروں کی ایک کثیر تعداد دفتر کے گرد جمع تھی اور بیرسٹر صاحب ایک ایک فرد سے الگ الگ ملاقات کر رہے تھے - اس کے پہنچتے ہی بیرسٹر صاحب نے فوراً اس کو منتخب کیا اور باقی امیدواروں کو اطلاع دیدی کہ جگہ پُر ہوگئی ہے -

مسٹر زماں جمشید کو اپنے پرائیوٹ کمرہ میں لے گئے اور اس کو ایک کوچ پر بٹھا کر خود بھی پاس بیٹھ گئے - جمشید تقریباً سولہ گھنٹہ سے بالکل بھوکا تھا کمزوری کا یہ عالم تھا کہ اگر بیرسٹر صاحب کچھ دیر تک بیٹھنے کو نہیں کہتے تو وہ یقیناً گر پڑتا -

جمشید اپنی نحیف آواز میں زماں صاحب سے یوں مخاطب ہوا -

" جناب میرے خیال میں آپ نے اس جگہ کے پُر کرنے میں بہت عجلت کی ہے کیونکہ نہ آپ نے ابھی تک مجھے میرے فرائض سے آگاہ کیا اور نہ آپ نے میری رضامندی حاصل کی

مسٹر زماں !" بالکل صحیح لیکن یہ کام اتنا سہل ہے اور معاوضہ اسقدر معقول کہ مجھے پوری امید ہے کہ آپ اسے ضرور منظور کریں گے۔ اگر انکشاف حقیقت جرم نہیں تو میں آپ کے لباس اور حالت کو دیکھکر یہ کہوں گا کہ آپ کی موجودہ مالی حالت اچھی نہیں ہے "

جمشید ! جی ہاں مجھے اعتراف ہے کہ میں غریب ہوں اور مفلسی کی حد تک۔ یہ غریبی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری غربت مجھے ناجائز طریقہ سے روپیہ حاصل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی

جمشید اس وقت غریب تھا اور بھوکا مگر اس کی باتوں سے ایک شاہانہ استغنا ظاہر ہو رہا تھا۔ مسٹر زماں نے اس سے پھر دریافت کیا

" جناب آپ مجھے شرائط سے مطلع فرمائیں تاکہ میں اپنا خیال ظاہر کر سکوں

مسٹر زماں :- عزیزمن ذرا صبر کیجئے میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں پہلے مجھے دو تین باتیں دریافت کرنا ہیں۔ کیا میں آپکا اور آپ کے والد صاحب کا نام معلوم کر سکتا ہوں

جمشید :- میرا نام تو جمشید ہے مگر والد کا نام اگر آپ دریافت نہ کریں تو زیادہ مناسب ہے بلکہ آپ یقین کریں کہ مجھے اپنے والد کے نام سے شرمندہ ہونے کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ میں صرف اس لئے ان کا نام بتانا نہیں چاہتا کہ میری موجودہ ردی حالت ان کے نام کی توہین کی باعث ہے - وہ زندہ نہیں ہیں کچھ عرصہ ہوا انکا انتقال ہو گیا

مسٹر زماں :- خوب ! میں آپ کے اعلیٰ خیال کی قدر کرتا ہوں آپ کے بشرہ اور انداز تکلم سے شرافت اور اعلیٰ اخلاق صاف نمایاں ہیں اور میرے مقصد کے لئے یہ کافی ہیں

جمشید :- شکریہ جہاں تک شرافت کا سوال ہے آپ یقین کریں کہ میں شریف ہوں اور باقی باتوں کے متعلق صرف آپ کا تجربہ بتا سکے گا کہ وہ کیا ہیں اور کیا نہیں

مسٹر زماں نے اب گفتگو کے دوسرے پہلو کو چھیڑا -

مسٹر زماں :- وہ معاملہ جس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے نہایت اہم ہے اس لئے مجھے ہر صورت سے اطمینان کر لینا ضروری ہی اگر آپ کسی وجہ سے اس کو منظور نہ کر سکے تو ایسی حالت میں آپ وعدہ کریں کہ یہ راز آپ ہی تک رہے گا:

جمشید :- " اس کا آپ اطمینان رکھیں میں ان لوگوں میں ہوں جو دوسروں کا راز قبر تک ساتھ لے جاتے ہیں

مسٹر زماں :- بہت خوب - سنئے وہ کام جو ایک راز کی حیثیت رکھتا ہے مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ اسکا تعلق صنف نازک کے ایک فرد سے ہے اور آپ جانتے ہیں وہ راز جو جنس لطیف کے کسی فرد سے وابستہ ہو کسقدر اہم ہوتا ہے۔ ایک لڑکی ہے جسکا نام اور خاندان میں اس وقت بتلانا مناسب نہیں سمجھتا یہ لڑکی کچھ دنوں قبل خوش حال تھی مگر اسباب کی نامساعدت کی وجہ سے اس کی مالی حالت کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ چنانچہ وہ اسوقت بالکل غریب ہے مگر آپ چاہیں تو اس کی حالت

سُدھر سکتی ہے اور وہ کافی دولتمند بن سکتی ہے۔

لڑکی اس وقت اس دنیا میں بالکل تنہا ہے۔ اس کے والدین عرصہ ہوا مر گئے۔ اس کی پرورش اس کی بیوہ چچی نے کی مگر وہ بھی حال میں مر گئی۔ لڑکی کی یہ چچی بہت دولتمند تھی اور چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے چچی کی کل جائداد لڑکی کو ملی مگر ایک شرط کے ساتھ۔

اس لڑکی کے والدین کی ازدواجی زندگی کامیاب نہیں تھی اس لئے لڑکی شروع ہی سے نکاح کی مخالف ہے۔ اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا ذکر وہ ہمیشہ اپنی چچی سے کرتی تھی۔ مگر اس کی چچی نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ لڑکی فطرتاً ضدی واقع ہوئی ہے اس لئے وہ اپنی چچی کی زندگی تک اپنے ارادہ میں کامیاب رہی۔ مگر مرنے کے بعد چچی نے یہ وصیت چھوڑی کہ

"وہ پچاس ہزار روپیہ جو بنگال بینک میں میرے نام سے جمع ہے وہ میرے بعد میری بھتیجی کو ملے اس شرط پر کہ وہ کسی شریف تعلیم یافتہ شخص سے شادی کر لے اور اگر میرے مرنے کے ایک سال کے اندر شادی نہ ہو تو یہ رقم خیراتی امور میں صرف کی جائے"

لڑکی نے روپیہ لینے سے قطعی انکار کر دیا کیونکہ شادی کرنا اس کو کسی طرح منظور نہ تھا۔ اسطرح چھ مہینہ گزر گئے۔ رفتہ رفتہ لڑکی غریب ہوتی گئی یہانتک کہ اس وقت وہ غالباً بالکل مفلس ہے۔ مگر آپ باور کیجئے شادی کے لئے وہ اس وقت بھی تیار نہیں ...... اسکی یہ حالت دیکھ کر ہم نے ایک ترکیب نکالی ہے اور وہ یہ کہ اس لڑکی کی شادی ایک شخص سے صرف اس لئے کی جائے کہ لڑکی روپیہ لینے کی مجاز ہو سکے اور اس شخص کو (جس سے اس کی شادی ہوگی) بیس ہزار روپیہ دیا جائے تاکہ وہ شادی کے بعد بہت دور کسی ولایت میں جا کر بود و باش اختیار کرے اور یہ قطعی بھول جائے کہ کبھی اسکی شادی بھی ہوئی ہے۔ شادی کے فوراً ہی بعد اس کو یہ شہر چھوڑ دینا ہوگا۔ شادی ایک ہفتہ کے اندر ہوگی اور شادی تک روزانہ پانچ روپیہ اس شخص کو معمولی اخراجات کے لئے دیئے جائیں گے۔

میں آپ کو اس کے لئے بالکل موزوں سمجھتا ہوں اور امید ہے کہ اس کو آپ منظور کر لیں گے اگر آپ کو منظور ہے تو لیجئے پانچ روپیہ کا نوٹ آج کے مصارف کے لئے حاضر ہے۔

جمشید سخت حیران تھا کہ ان عجیب باتوں کا کیا جواب دے۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ایک روپیہ کا کھانا لذیذ ہوگا اور یہ کہ وہ ہوٹل کا کرایہ بھی اسی پانچ روپیہ سے ادا کر سکے گا۔ آخرش کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا

"مجھے تو آپ کی ساری باتیں بہت عجیب معلوم ہوتی ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اس شخص کو کیونکر مجبور کر سکتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے"

مسٹر زماں:۔ بالکل دُرست اور اس لئے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ بیس ہزار کی یہ بڑی رقم اس کو کیوں دی جارہی ہے اور کیوں اس شخص کی شرافت اور اخلاق کی بلندی پر اعتماد کیا جارہا ہے یہ ہمیں معلوم ہے کہ اس شخص پر کوئی قانونی گرفت نہیں اگر ہے تو صرف اخلاقی

جمشید:۔ دوسری بات جو میری سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ اشتہار میں ان مخصوص شرطوں کے ذکر کرنے سے آپ کی کیا غرض تھی

مسٹر زماں:۔ "اس سے صرف اُمیدواروں کی تعداد کو محدود بنانا تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس پر بھی اُمیدواروں کی کتنی کثرت تھی۔ اگر میں کوئی دوسری شرط تعلیم وغیرہ کی رکھتا تو شاید نصف کلکتہ میرے دفتر کا محاصرہ کئے ہوتا"

۔۔۔۔ اب آپ کوئی عذر نہ پیش کریں اگر آپ کو اپنے فائدہ کا خیال نہیں تو اس لڑکی کے فائدہ کو ملحوظ رکھئے۔ صنف نازک کی مدد کرنا جنس قوی کے ہر فرد کا فرض ہے۔ چلئے آج میرے ساتھ کھانا کھائیے یہ کہکر جمشید کو اپنے موٹر پر بٹھا کر ایک ہوٹل میں لے لیا اور کھانے کے بعد اس کے ہوٹل تک پہونچا دیا۔ جمشید اپنے کمرہ میں پہنچ کر اس اہم معاملہ کو سوچنے لگا کہ آیا وہ ان شرائط کو منظور کرے یا نہیں جہاں تک اس کی عقل کام کرتی تھی وہ اس میں کوئی ذاتی نقصان نہیں پاتا تھا اور اس کے پاس تھا ہی کیا جس کے نقصان کا احتمال ہوتا۔ ابھی وہ کسی خاص فیصلہ پر پہنچا بھی نہ تھا کہ ہوٹل کا منیجر آکر کہنے لگا۔ جناب میں ہفتوں سے تقاضا کر رہا ہوں مگر آپ نے ابھی تک کرایہ ادا نہیں کیا ہے آج آپ مہربانی کرکے کرایہ دے دیں۔ جمشید کے پاس پانچ روپیہ کا وہ نوٹ تھا اس نے فوراً کرایہ چکا دیا اور اطمینان سے دن بھر سیر کرتا رہا۔ دوسرے روز صبح کو وہ پھر بیرسٹر صاحب کے دفتر کو گیا اس کا ارادہ تھا کہ وہ زماں صاحب سے مل کر ان باتوں کی تشفی کرے گا جس کا خیال اس کو بعد کو ہوا تھا۔ مگر بیرسٹر صاحب موجود نہ تھے۔ انکے کلرک نے اس کو ایک لفافہ دیا۔ اس میں پانچ روپیہ کا نوٹ تھا۔

یوں ہی ایک ہفتہ گذر گیا جمشید نے ہر چند کوشش کی مگر زماں صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی۔ مگر روز اس کو اس دفتر سے اسی طرح پانچ روپیہ ملتے رہے

شادی کے ایک روز قبل اس کے پاس ایک پارسل آیا جس میں نہایت عمدہ لباس تھا اور ایک خط تھا جس میں چند ہدایتیں درج تھیں اور ایک وقت مقررہ پر شادی کے روز اس کو ایک خاص مکان میں (جسکا پتہ خط میں دیا ہوا تھا) بلایا گیا تھا

وہ اس پتہ کے مطابق اس مکان پر پہنچا۔ یہ مکان لب دریا واقع تھا اور پوری طرح آراستہ تھا اس کے پہنچتے ہی فوراً نکاح ہوگیا۔ نکاح کے بعد سب لوگ چلے گئے۔ مسٹر زماں بھی جلد واپس آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے۔ جمشید اس مکان میں تنہا رہ گیا۔ اور بیٹھا ہوا مسٹر زماں کا انتظار کرنے لگا

نصف گھنٹہ بعد نوکر نے آکر اطلاع دی کہ چائے تیار ہے جمشید نوکر کے ساتھ کھانے کے کمرہ میں گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک حسین لڑکی اس کا انتظار کر رہی ہے

جمشید اس کو دیکھ کر مسحور و مبہوت ہوگیا جمشید کی اس کیفیت کو سمجھ کر وہ بولی۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ گذشتہ دو ہفتہ

سے بیمار ہیں اور بہت کمزور ہو گئے ہیں - میں کوشش کروں گی کہ آپ کو جلد صحت حاصل ہو۔ شائد ان دنوں آپ نے بہت زیادہ کام کیا ہے لیکن آپ خاموش کیوں ہیں ،،

جمشید خاموش تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ زماں صاحب کو وہ لڑکی اپنا چچا بتا رہی ہے اور گفتگو سے وہ اپنی شادی کے خلاف بھی نہیں معلوم ہوتی پھر یہ بیس ہزار کی رقم لے کر فوراً ہندوستان چھوڑنا کیا معنی اور وہ بے چین تھا کہ کسی طرح مسٹر زماں سے ملاقات ہو اور سارا حال معلوم ہو

آخرکار اُس نے ہمت کر کے کہا کہ

"مجھے آپ کے چچا سے ضروری کام ہے۔ میں ان کا انتظار کر رہا ہوں کیا آپ بتا سکتی ہیں وہ کس وقت آئیں گے ،،

"غالباً نصف گھنٹہ میں ،، جمشید گھبرا رہا تھا۔ پریشان تھا اور سخت بےچینی سے زماں صاحب کا انتظار کر رہا تھا۔ انتظار کرتے کرتے جب رات کے دس بج گئے تو وہ کہنے لگا۔ "خاتون آپ اجازت دیں کہ میں آپ کے چچا کی تلاش میں باہر نکلوں سخت حیرت ہے کہ وہ ابھی تک نہیں آئے مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے ،،

"آپ کی مرضی - مگر میرے خیال میں اس وقت مکان سے باہر جانا کسی طرح مناسب نہیں ،،

مگر جمشید نے اس مکان میں رات کو ٹھیرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے عذر کرتا ہوا بیرسٹر صاحب کی تلاش کو نکلا۔ سڑک پر پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ اس وقت بیرسٹر صاحب سے ملاقات ہونا ناممکن ہے۔ ان کے مسکن کا پتہ بھی اسے معلوم نہ تھا یہ سوچ کر وہ دریا کے کنارے جا کر لیٹ رہا۔ اور صبح کو وہ پھر زماں صاحب کی جستجو میں چل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور چلا ہوگا کہ زماں صاحب موٹر پر آتے دکھائی دیے۔ جمشید نے ان کی موٹر روک کر کہا

"مجھے صاف صاف بتا دیجئے کہ یہ معمہ کیا ہے اور ان باتوں کی جنکا ذکر آپ نے مجھ سے قبل کیا تھا کچھ حقیقت ہے بھی یا نہیں ؟"

مسٹر زماں: عزیزمن - ذرا صبر کیجئے میں سب کچھ بتاتا ہوں ،،

جمشید: نہیں آپ فوراً بتا دیجئے۔ اب میں صبر نہیں کر سکتا۔

مسٹر زماں: کیا آپ کو وہ لڑکی پسند نہیں آئی ؟

جمشید: برعکس اس کے میں تو اس کا بالکل گرویدہ ہو گیا ہوں اور اگر میں شادی کرنے کے لئے آزاد ہوتا تو یقیناً اس کو اپنی شریک زندگی بناتا

مسٹر زماں: (خوش ہو کر) پھر تو سب باتیں آسانی سے سلجھ گئیں۔ میں نے جو کچھ آپ سے بیان کیا تھا۔ وہ صحیح ہے مگر تھوڑے فرق کے ساتھ۔ وہ لڑکی میری بھتیجی ہے۔ اس کے والدین عرصہ ہوا مر چکے ہیں اس کی پرورش میں نے کی اور نہایت اعلیٰ

تعلیم و تربیت دلائی۔ اس نے اسی سال بی۔ اے پاس کیا ہے۔ اس کی شادی کی فکر مجھے بہت زمانہ سے تھی اور اس کے لئے میں ایک دولتمند، شکیل، تعلیم یافتہ اور شریف شوہر کی تلاش میں تھا۔ اور آپ کی ذات میں، میں نے ان سب اوصاف کو پایا۔
ایک مہینہ ہوا ایک شخص پچاس ہزار روپیہ بنگال بینک میں چھوڑ کر مر گیا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور کسی وارث کا بھی پتہ نہ تھا۔ سرکار نے اس کے وارث اور رشتہ داروں کا پتہ لگانے کا کام میرے سپرد کیا۔ بہت تلاش و جستجو کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مرحوم بمبئی کا رہنے والا تھا۔ اور وہاں کے مشہور تاجر فضل بھائی کا چھوٹا بھائی تھا۔ فضل بھائی کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے اس روپیہ کا وارث فضل بھائی کا لڑکا جمشید ہوا۔ مجھے بڑی کوشش اور جانفشانی کے بعد آپ کا کچھ پتہ معلوم ہوا۔ اور وہ اخبار میں نے آپ کے پاس بھیجا۔،،
جمشید ان غیر متوقع باتوں کو سنکر متحیر و مبہوت ہو گیا مگر اس نے کہا
"اب میں آپ کی باتوں کا یقین نہیں کر سکتا جب تک میں خود ان کاغذوں کو نہ دیکھ لوں جن سے میرا وارث ہونا ثابت ہوتا ہے۔،،
جمشید ان کاغذوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ مسز جمشید نے آ کر کہا
"للہ آئندہ آپ اس طرح رات کو غائب نہ ہو جایا کیجئے۔،،

عبدالستار

کاجل - سُرمہ - چُورن - منجن

ایڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کر کے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہے۔
دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو:۔ سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کیلئے بہت مفید ہوا۔ ایک شیشی اور بھیج دیجئے۔ (سید رضا، نزد سومنتھ) (ایوت محل)

کاجل - آشوب سرخی، ضعف بصارت کیلئے ازبس مفید ہے۔ ایک ڈبیہ قیمت ایک روپیہ عہ، علاوہ محصول

سُرمہ - یہ بیش بہا سرمہ ۴۰ دن میں جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیسکر تیار کیا جاتا ہے۔ جالا۔ دھند۔ موتیابند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بارہا آزمایا ہوا ہے۔ قیمت فی پڑیا ۱عہ، علاوہ محصول،

چُورن - یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ پیٹ کا درد، قبض، نفخ ریاح کا پیدا ہونا، سوء ہضم۔ دستوں کا آنا، سب یک لخت اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہے۔ قیمت فی ڈبیہ ۸ تولہ عہ، علاوہ محصول،

منجن - اسکی ادنیٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں قیمت فی ڈبیہ ۸ تولہ (عہ)، علاوہ محصول، **نوٹ**۔ سب چیزیں منگانیوالوں کو محصولڈاک معاف۔

م بیگم ذریعہ دفتر نگار لکھنؤ

لِسانیات کے اُصول اوّلین

(بہ سلسلۂ سابق)

چند محاورات لکھنؤ

زبان اُردو کی سرپرستی جب زباندانان لکھنؤ نے شروع کی اور زمانے نے اس سرپرستی کو تسلیم کیا تو ان لوگوں نے "دہلی" کے اہل زبان سے علیحدہ کچھ محاورات کا اضافہ کیا، ان کو روزمرہ میں داخل کیا، اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا مثلاً :-

ساونی گانا، اہل دہلی نہیں بولتے لیکن امیر مینائی لکھتے ہیں :- ؎

جب چمن میں آگیا مستوں کو ساون کا خیال
ساونی گاتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

اس محاورے کو اُردو میں داخل کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم نغمات میں "ساون"، ایک خاص قسم کی راگنی ہوتی ہے جو ساون میں گائی جاتی ہے۔ چونکہ اطراف بنارس و بہار وغیرہ میں یہ چیز مشہور تھی اس لئے زبان نے اُس کو فوراً قبول کر لیا۔

شعر میں یہ محاورہ فصیح بھی ہے اور معنوی اعتبار سے بلیغ بھی

۲- پانا - لینا - کی جگہ - امیر لکھتے ہیں : ع

"ہاتھ ہے کوتہ، شاخ ہے اونچی پائیں گے کیونکر کوئی ثمر ہم"

۳- چکھا چاہئے :- ؎

ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزا اس کا بھی چکھا چاہئے

۴- چاٹ دینا :- ع

وہ چاٹ دل کرے نہ مذمت شراب کی

ترک واخذ محاورات والفاظ

الفاظ یا محاورات کا ترک کرنا یا ان کو پھر لینا اہل زبان اور زباں داں کا کام ہے

اہل دہلی نے جب ذیل کے الفاظ اپنے اشعار سے نکال دیے تو اہل لکھنؤ نے لے لئے مثلاً :-

تلک ۔ بجائے تک ۔ امیرؔ نے لکھا ہے :- ؎

اے نگاہِ یاس ہو تیرا بُرا
گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا

ناسخؔ جو زبان کی صحت کے بڑے حامی تھے لکھتے ہیں :- ؎

وفورِ اشک سے ہے کیوں گلے تلک پانی
ہمارا کاسۂ سر کاسۂ حباب نہیں

زور ۔ بجائے خوب ، اچھی طرح ، اچھا ۔ امیرؔ نے کہا ہے :- ؎

ناتوانی نے زور کام کیا
چڑھ گئے یار کی نگاہوں پر

ناسخؔ :- ؎

عابد و زاہد چلے جاتے ہیں پیتا ہے شراب
اب تو ناسخؔ زور رندِ لاابالی ہو گیا

کیجیو ۔ بجائے کرنا ۔ آتشؔ کا شعر ہے :- ؎

مجھ سے مستی میں جو ہوں شیشۂ ساغر ٹکڑے
ساقیا کیجیو میرے بھی برابر ٹکڑے

ہوجیو ۔ بجائے ہونا ۔ ناسخؔ :- ؎

ناسخؔ نہ ہوجیو مگسِ خوانِ اغنیا
سنتا ہوں یہ سخن لبِ نانِ جویں سے میں

عزیزاں ۔ بجائے عزیزو ، اعزہ ۔ آتشؔ کا شعر ہے :- ؎

برسوں کی راہ آگے عزیزاں نکل گئے
افسوس کارواں سے میں اپنے بچھڑ گیا

حالانکہ "اعزہ" کہہ سکتے تھے اور بحر و وزن میں فرق نہ آتا

بعض اختلافات دہلی و لکھنؤ

دہلی	لکھنؤ
دھکیلنا	ڈھکیلنا

اُڑسنا	گھڑسنا
گھرکنا	گھڑکنا
اندھیرا	اندھیارا
اُجالا	اجیالا
بوچھاڑ	بوچھار
بانسری	بانسلی
تیرنا	پیرنا
کواڑ	کواڑا
سب سے پہلے	سب کے پہلے
جمائی	جماہی

یہ الفاظ بہ ظاہر علیحدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن دونوں کا استعمال اکثر ہوتا ہے (تسہیل البلاغۃ ص۴۲)

مفرد اور مرکب الفاظ مفرد اور مرکب الفاظ کے استعمال اور ترویج سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اساتذۂ فن نے ان کے لئے کیا اصول مقرر کئے ہیں

قاہرۂ مصر کے مشہور دارالعلوم جامعۂ ازہر کے مشہور ماہر لسانیات مقرب احمد ہاشمی اپنی مستند کتاب "جواہر الادب" میں لکھتے ہیں کہ فصاحت "مفرد" کے لئے چار شرطیں ہیں:-

(۱) حروف میں تنافر نہ ہو

(۲) استعمال نیا نہ ہو

(۳) قیاس لغوی کے مخالف نہ ہو

(۴) اس کے سننے سے کراہت معلوم نہ ہو

تنافر کے معنے یہ ہیں کہ زبان آسانی سے ادا نہ کر سکے مثلاً "ہعخع"۔ "مستشزرات"

دوسری "شق" کے معنے یہ ہیں کہ اہل لغت و ماہرین زبان کے استعمال سے باہر نہ ہو، لغات اور استعمال میں اس کا وجود ہو مثلاً "تکأکأتم" عیسیٰ بن عمرو نحوی نے استعمال کیا ہے۔

تیسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ "قانون صرف و نحو، قیاس لغت کے خلاف نہ ہو، نہ واضع کے منشا کے مخالف ہو مثلاً لفظ "اجلل" اس کو "ادغام" کے بعد "اجل" ہونا چاہیے تھا

چوتھی شرط کا منشا یہ ہے کہ ایسے الفاظ نہ ہوں کہ کانوں کو بُرے معلوم ہوں مثلاً "نقاخ"۔

اصول مرکبات مرکب کو چھ عیبوں سے پاک ہونا چاہیے:۔

(۱) الفاظ مجتمعہ میں تنافر نہ ہو

(۲) ضعف تالیف نہ ہو

(۳) تعقید لفظی نہ ہو

(۴) تعقید معنوی نہ ہو

(۵) کثرت تکرار نہ ہو

(۶) توالی اضافات نہ ہو

مثال اوّل:۔

وقبر حرب بمکان قفر

ولیس قرب قبر حرب قبر

اسمیں قرب اور قبر کے اجتماع نے شعر کو معیوب کر دیا ہے۔

مثال دوم:۔

ضرب غلامہ زیداً

مارا اس کے غلام نے زید کو

اس میں اضمار قبل ذکر و مرجع ہے

مثال سوم:۔ متنبی کا شعر ہے:۔

جفخت وھم لا یجفخون بھا بھم

شیم علی الحسب الاغر دلائل

اس کو ہونا چاہیے تھا "جفخت بہم شیم دلائل علی الحسب الاغر الخ

مثال چہارم:۔ عباس بن احنف کا شعر ہے جس میں "سکب دموع" سے کنایہ لزوم فراق مراد لیا ہے جو بعید الفہم ہے

مثال پنجم:۔

الی ذا سطار سطرت سطرا

لقائل یا نصر نصر نصرا

مثال ششم:۔ ابن بابک کا شعر ہے:۔

حمامنتجرعا حومتہ الجندل اسجمی
فانت برامی من سعاد ومسمع

اساتذہ زبان اُردو نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) تنافر حروف کی مثال۔ آتش کا شعر ہے:۔

دل قصر شہنشہ ہے وہ شوخ اس میں شہنشاہ
عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اس کا

(۲) تنافر کلمات۔ ناسخ کا شعر ہے:۔

شکل نہیں نظر پڑی آیا نہیں پیام بھی
عمر ہوئی کہ ایک سی حالتِ چشم و گوش ہے

(تسہیل البلاغۃ صفحہ ۱۲۴)

(۳) غرابت کلام۔
ایسے غیر مروج الفاظ کا لانا جو اہل زبان کے محاورہ روزمرہ کے موافق نہ ہوں۔ مثلاً:۔

ہو گیا تیغ سیہ تاب سے ہے سُرمہ گلو
دم نہ مارے گا ترے آگے حسود بقباق

(۴) مخالفت قیاس لغوی۔ سودا کا شعر ہے:۔

سودا میں اس چمن میں ہوں جوں غنچہ دل گرفت

"دل گرفت" بجائے دل گرفتہ استعمال کیا۔
اسی طرح اور مثالیں ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔
ان تمام قیود کا صرف ایک مرکز معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ مفردات و مرکبات کو کس "زبان"، "اہل زبان"، "قواعد" وغیرہ کے تحت میں ہونا چاہیے، جو لفظ مفرد اور مرکب ان اصول سے باہر ہوتے ہیں وہ کبھی قابل قبول نہیں ہوتے نہ عوام کے نزدیک اور نہ خواص کے۔

وضع اصطلاحات مولوی سید وحید الدین سلیم مرحوم نے اس موضوع پر اپنی کتاب وضع اصطلاحات میں مفید بحث کی ہے۔

وضع اصطلاحات دو قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) وضع اصطلاح مفرد۔

(۲) وضع اصطلاح مرکب۔

اصطلاح مفرد کے متعلق حسب ذیل اصول مقرر کئے ہیں:۔

(۱) ان تمام زبانوں سے الفاظ لئے جا سکتے ہیں جو ہماری زبان (اُردو) میں بطور قدرتی عنصر کے شامل ہیں، انگریزی کے صرف وہ الفاظ لئے جانے چاہیئے جو اردو میں بہت زیادہ رائج اور مشہور ہیں مثلاً گیس۔ مشین۔ کونین۔ انجن وغیرہ۔

(۲) وہ الفاظ لینے چاہیئے، جو مستعمل اور رائج ہیں۔ وہ الفاظ بھی لئے جا سکتے ہیں جو رائج نہیں لیکن ترکی اور انگریزی زبانوں کے الفاظ نہ لئے جو مستعمل نہیں

(۳) ہر مفرد اصطلاح کے وضع کرنے کے وقت حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے کہ اصطلاحی معنے کا نمایاں اور ممتاز حصہ اصطلاحی لفظ سے ظاہر ہو

(۴) حتی الامکان عنصری زبانوں کے مشہور اور رائج الفاظ سے وضع اصطلاحات میں کام لیا جائے، یہیں ضروری ہے۔ کہ ہم موجودہ الفاظ کو نئے نئے معنے پہنائیں

(۵) عربی زبان کی قدیم مفرد اصطلاحیں قائم رکھنی چاہیئے (ان میں معرب الفاظ بھی شامل ہیں) کیونکہ اس زبان میں مفرد الفاظ کثرت سے ہیں

(۶) مفرد اصطلاحیں عربی کے ان رائج اور مستعمل الفاظ سے بنا سکتے ہیں جو ہماری زبان میں موجود ہیں اور ان کو بھی کام میں لا سکتے ہیں جو اب تک رائج نہیں

(۷) انگریزی الفاظ بھی ممد کئے جا سکتے ہیں

(۸) سائنس کی ان اشیا کے علاوہ اور تمام علوم اور اشیاء کے لئے مفرد الفاظ وضع کئے جا سکتے ہیں

(۹) انگریزی الفاظ اور اصطلاح اُردو زبان کے اصول کے مطابق ڈھالنا چاہیئے

(۱۰) انگریزی کا کوئی لفظ اگر غلط رائج ہے تو اپنی زبان میں لیتے وقت تصحیح کر لینا چاہیئے

(۱۱) اگر ایک علم کی کسی انگریزی اصطلاح کے مقابل کوئی ایسی اصطلاح تجویز کی جائے جو پہلے سے کسی اور علم میں مستعمل ہو تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں

(۱۲) اگر انگریزی میں کوئی اصطلاح مشترک ہو اور مختلف علوم میں اس کے معنے جداگانہ لئے گئے ہوں تو اُردو میں ایسا لفظ تلاش کرنا چاہیئے جو انگریزی لفظ کی طرح کئی معنوں کے لئے کافی اور کئی علوم میں مشترک ہو سکے، ایسا نہ ہو سکے تو ہر اصطلاح کے لئے نیا لفظ لینا چاہیئے

(۱۳) جہاں تک ممکن ہو انگریزی مفرد کے لئے اُردو مفرد اصطلاح مقرر کرنا چاہیئے یہ نہ ہو سکے تو مرکب اصطلاح سہی۔

(۱۴) ہماری نئی اصطلاحیں عنصری زبانوں سے بے تکلف ماخوذ ہونی چاہیئے

(۱۵) جو اصطلاح ہم اصول مذکورہ بالا پر حتی الوسع عمل کر کے وضع کریں اگر وہ اصطلاح اور اس کے مقابل کی انگریزی اصطلاح دونوں یکساں طور پر مبہم ہوں تو اپنی اصطلاح پر انگریزی اصطلاح کو ترجیح دینی نہ چاہیے بلکہ اس کو ترک کر کے اپنی اصطلاح قائم کرنی چاہیے۔

(۱۶) عام طور پر انگریزی مفرد اصطلاحات کا لفظی ترجمہ کافی ہو سکتا ہے بعض جگہوں پر اس کو چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار کرنے پڑینگے (تفصیل کے لئے دیکھئے وضع اصطلاحات صہ ۱۸۸)

وضع اصطلاحات مرکب

مفرد اصطلاحوں کے بیان کے بعد مرکب اصطلاحوں کا بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے مرکب اصطلاحوں کی وضع کرنے کے حسب ذیل خاص خاص اصول ہیں

(۱) اگر مرکب کے دونوں اجزا ہندی ہوں یا دونوں فارسی ہوں، ایک فارسی اور ایک ہندی اور ان میں حرف علت ہوں تو دونوں جزوں میں سے یا ایک جزو سے حرف علت گرا دینا چاہیے، تاکہ مرکب مختصر ہو جائے۔

(۲) اگر مرکب کے پہلے جزو کا آخری حرف اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو تو ان میں سے ایک کو حذف کر دینا چاہیے۔ کس کو حذف کرنا چاہیے۔ اس کو بھی "مرکز" اور اہل مرکز ہی طے کر سکتے ہیں ورنہ اشتراک قائم نہیں رہ سکتا

(۳) اگر مرکب کے پہلے جزو کا آخری حرف اور دوسرے کا پہلا قریب المخرج ہو تو ان میں سے ایک حذف کر دینا چاہیے۔

(۴) اگر ہائے مختفی مرکب کے کسی جزو کے آخر میں ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے

(۵) ہندی کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں نون غنہ ہو اور اس سے پہلے کوئی حرف علت ساکن ہو تو حرف علت کے ساتھ نون غنہ کو بھی گرا دینا چاہیے مثلاً چھینک سے چھک۔

معلوم نہیں وضع اصطلاحات کے مؤلف نے چھینک میں کیا قباحت دیکھی، حالانکہ تمام اساتذہ اور زبان دانوں نے اس کو بحالہ رکھا ہے۔

(۶) فارسی زبان کے ایسے الفاظ جو مرکب کے شروع میں آئیں اور جن کے آخر میں دو حرف صحیح ساکن ہوں ضرورت کے وقت آخری حرف کا گرا دینا جائز ہوگا۔ (معلوم نہیں اس اصول کی کیا ضرورت تھی؟)

(۷) فارسی زبان کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں حرف صحیح ہو اور اس سے پہلے حرف علت ہو، اگر کسی مرکب میں بطور ابتدائی اجزا کے آئیں تو ان کا آخری حرف گر جائے گا۔ (یہ بھی بے ضرورت ہے)

(۸) جن الفاظ کے شروع میں الف ممدودہ ہو وہ لاحقہ یا اسم لاحقہ بنانے کے لئے سب سے بہتر ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے اصل کتاب دیکھئے) ان اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ ضروری ہے، کہ محاورات عام طور پر رائج نہ کئے جائیں بلکہ ایک مرکز ہو جو ان اصول کے تحت میں الفاظ بنائے ورنہ ہر شخص اس کے تحت میں الفاظ گڑھیگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک گھر کے مختلف اور متعدد افراد میں، ایک گاؤں کے باشندوں میں باہم اختلاف زبان ہو جائے گا، تمام ملک میں مشترک زبان کا ہونا

ممکن نہ ہوگا۔

اس لئے اصل اُصول یہی ٹھہرا کہ وضع الفاظ و محاورات میں ہر شخص کو آزاد نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہر شخص کے بس میں اضافہ زبان کی کنجی دی جاسکتی ہے۔

مولوی وحید الدین صاحب نے قیاس و سماع لغت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر اساتذہ زبان اُردو اور شعراء کے کلام سند مانے جائیں تو آیندہ زبان کی ترقی رُک جائے گی

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نئے الفاظ بنائے جائیں یا قدیم الفاظ مروج کئے جائیں ان کے لئے کسی قانون، کسی مرکز، ذمہ دار اشخاص کی ضرورت ناگزیر ہے ورنہ اُردو زبان چھوٹے سے چھوٹے طبقے میں بھی مشترک نہیں رہ سکتی، اس صورت میں تمدن یعنے بنیاد انسانی کا قیام مشکل ہو جائے گا۔

ترویج الفاظ و لغات | اس کی چند صورتیں معلوم ہوتی ہیں

(۱) کسی اصول یا قیاس کے ماتحت ہوں

(۲) صرف سمعی ہوں، آئمہ فن نے ان کو استعمال کیا ہو، عوام نے سُنا ہو

(۳) عوام نے کسی لفظ یا لغت کو قبول کرلیا ہو

پہلی شق کی صورت تو یہ ہے کہ مثلاً ایک سے عدد کو لفظ گنا یا گنی سے بڑھا سکتے ہیں دوگنا سے سوگنا ہزار گنا تک یا اس سے بھی زیادہ۔

لفظ والا یا والے ہر مصدر کی علامت کا آخر حرف گرا کر اس کی جگہ یائے مجہول لاتے ہیں اور لفظ والا یا والے بڑھا دیتے مثلاً سونا سے سونے والا یا سونے والے۔ جانے سے جانے والا یا جانے والا علی ہذا القیاس۔

دوسری شق میں کوئی اصول یا قیاس مفید نہیں ہوتا اس کی ترویج صرف سماعت پر منحصر ہے

ہم اس جگہ صرف مرکب الفاظ کو مثال میں پیش کریں گے تاکہ اصل موضوع تک پہونچنے میں آسانی ہو۔ مرکب الفاظ کی بھی چند صورتیں ہوتی ہیں

(۱) فارسی اور اُردو کے مرکبات

(۲) عربی اور فارسی کے مرکبات

(۳) ہندی اور اُردو کے مرکبات

(۴) ہندی اور ہندی کے مرکبات

فارسی فارسی کے ساتھ یا عربی عربی کے ساتھ مرکبات ہمارے یہاں سے خارج ہیں۔

مرکبات فارسی و اُردو | دار سے سمجھ دار۔ ٹوپی دار۔ توڑے دار۔ گیدے دار۔ بٹن دار۔ گھنڈی دار۔ لچھے دار۔ بالدار۔ گھیر دار

خانہ سے تاڑی خانہ - پاگل خانہ - چھاپہ خانہ - چڑیا خانہ - بوچڑ خانہ -
بند سے آزبند - کمربند
باز سے دگی باز - ٹھٹے باز - پٹے باز

اسی طرح اور مرکبات ہیں ان کی ترویج صرف اس بنیاد پر ہے کہ اہل زبان سے سنے گئے اور کتب لغت میں درج ہیں لیکن ان میں نہ تو قیاس کو دخل ہے اور نہ اصول کو، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ لفظ "سمجھدار" اُردو اور فارسی سے مرکب ہے اس لیے اسی قیاس پر سمجھ مند عقلمند کی جگہ درست ہے

مرکبات عربی و فارسی صوت سے صوت بستن - صورت سے صورت نشین - مجسم صورت نگار - مصور - صورت خانہ - صبر سے صبر آزمودن - صبر آزما - صبر سنج -
ظفر سے ظفر پیکر - ظفر شان - عارض سے عارض افروختن
ان کے علاوہ ذی پنبہ - مسخرہ وغیرہ

اور ہزاروں اسماء اور مصادر رائج ہیں - تفصیل کے لئے کتب لغت دیکھیے -

مرکبات ہندی و اُردو آپ بیتی - آگ بگولا - باگ ڈور - بن مانس - ترپاہٹ - چاندرات - جھرجھٹ - کرن پھول کنٹھے بالا - مرگ چھالا وغیرہ

مرکبات ہندی و ہندی چندر گرہن - سدا سہاگ - لیکھا جوکھا - دھرمی بالک وغیرہ

وہ الفاظ جو عدد سے مرکب ہیں چورس - چوراہہ - چوکا - چوکوشیا - تگڈم - ترانا - تبارہ - تباسی - تپائی - تدھارا - تساالا - تکونتا - تکونیا - تیتی - تماہہ (وحید الدین صاحب سلیم نے استعمال کیا ہے اس سے پہلے پتا نہیں چلتا)

ستوانسا - وہ بچہ جو سات مہینے میں پیدا ہو -
چوبولا - چومیخا کرنا - چورنگ - دودھاری - پنجرنگا - چومنزلہ - چوسیرا - پنسیری - ہزار پاؤں - چوتالا - اکہرا -
تیسی - تیس برس کی عورت
ساٹھا - ساٹھ سال کا مرد
چالیا - چالیس سال کا مرد - وہ پہلوان جس نے چالیس پہلوانوں کو پچھاڑا ہو
چالیس سیرا - پورے من کی تول
چالیسواں - چہلم (وہ چیز جس پر چالیس کی گنتی پوری ہو) مستعمل پہلا ہے
بتیسی - آدمی کے دانتوں کی دونوں قطاریں -

برسی: ایک رسم ہے جو کسی کے مرنے کے سال بھر بعد ادا کی جاتی ہے

چھماہی: فاتحہ اور کھانا جو کسی کے مرنے کے چھ مہینے کے بعد ہوتا ہے (اس کے علاوہ یہ لفظ اور کسی معنے میں مستعمل نہیں)

تیجا: فاتحہ سوم

چھٹی: بچہ پیدا ہونے کے چھ روز بعد زچہ کے نہانے کی رسم

چہلم: وہ رسم جو کسی کے مرنے کے سوا مہینے کے بعد ادا کی جاتی ہے

چلّا: زچہ کے چالیسویں دن کا نہانا

جو الفاظ مہینے سے مرکب ہیں | مہینا چڑھنا: کسی کے ذمہ ایک مہینے کی تنخواہ ہوجانا۔ مہینا وار: ماہ بماہ تنخواہ پانے والا ملازم یہ تمام لغات "سماعی" ہیں اور کتب لغت میں موجود ہیں

تیسری صورت یہ ہے کہ عوام نے قبول کرلیا ہو۔ ان اصولوں سے لفظ "ھندستان" اور "تماہی" کو جانچئے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

(۱) نہ تو اہل زبان نے رائج کیا

(۲) نہ کسی اصول اور قیاس کے تحت میں ہیں

(۳) نہ عوام نے پسند کیا ہے اور نہ ملک کا ان پر اتفاق ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ دونوں لفظ قابل قبول ہوں

ہم ان دونوں لفظوں پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں:۔

ہندستان۔ ہندستانی | اس لفظ کی صحت کو سب سے پہلے لغت سے جانچنا چاہئے:۔

(۱) بہار عجم کا مؤلف لکھتا ہے:۔

"ھند"، بالکسر ہندوبار، ہندوزار، ہندوستان، دیار معروف "ہندستان" اغلب کہ دراصل ہند استھان بود بہمزہ و فوقانی مخلوط الہا کہ در ہندی اصل بمعنی مکانست،" (بہار عجم ج ۲ ص ۱۹۶ م نولکشور لکھنؤ)

برہان قاطع میں یہ تحقیق موجود ہے:۔

"ہندستان"، مخفف "ہندستان"، وہندستان مخفف ہندوستانست "ہندو"، بمعنی "ہندوستان" باشد

لفظ ہندو کے ساتھ حسب ذیل مرکبات بنتے ہیں:۔

ہندوے اژدہا = کنایہ از شمشیر

ہندوے باریک بیں = ״ ״ زحل

ہندوے بیر = ״ ״ ״

ہندوے ... = ״ ״ ״

ہندوے بیہر = ״ ״ ״

ہندی معروفست کہ ہندوستانی باشد، کنایہ از تیغ ہندی ہم است (برہان قاطع ج ۲ ص ۲۳۳)

فرہنگ آصفیہ میں اس طرح ہے:-

ہندوستان = ملک ہند، آریہ ورت - بھارت کھنڈ

ہندوستانی = ہند کا باشندہ

ہندی = ہندوستانی، ہندوستان کی وہ زبان جو سنسکرت سے نکلی ہے - پراکرت - ہندوستان کی چیز (ج ۴ ص ۲۳۳)

بھارت = ہندوستان - ملک (نور اللغات ج ۱ ص ۶۶۲)

ہندوستان: India انڈیا - ہندوستانی: انڈین

ہندوستانی: Relating to India (ڈنکن فوربس ص ۲۰۲، ۱۸۷۶)

ہندوستان: ہندو - ستان - Indian place

(جان شیکسپیر ص ۱۸۷۵)

ہندوستانی = A native of India (جی - ٹی پلیٹس)

لغات پر نظر بہار عجم کا مؤلف ہند کی تشریح لفظ ہندوستان سے کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی لفظ عام و خاص رائج ہے۔

"ہندستان" کے متعلق کہتا ہے کہ اغلباً یہ لفظ اصل میں ہنداستھان تھا لفظ "اغلباً" بتاتا ہے کہ اس پر اس کو وثوق کامل نہیں۔ برہان قاطع کا مؤلف بھی الفاظ تشریح میں ہندوستان ہی لکھتا ہے پھر کہتا ہے کہ "ہندسان" ہندوستان کا مخفف ہے - اور ہندستان ہندوستان کا، یعنے ہندستان اصلی حالت میں نہیں بلکہ ہندوستان کی بگڑی ہوئی حالت کا نام ہے، اس لئے دعویٰ صحت ہندستان کو اس سے فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔

اگر تخفیف دلیل صحت ٹھہرے تو بجائے "ہندستان" "ہندسان" ہونا چاہئے کیونکہ یہ اور زیادہ مخفف ہے۔

برہان قاطع نے "ہندو" کے معنے بھی "ہندوستان" لکھے ہیں اس لئے "ہندستان" کی جگہ "ہندو" کیوں نہ استعمال کیا جائے؟

اس لغت میں لفظ "ہندو" کے ساتھ جو مرکبات دئے گئے ہیں ان سے یہ متحقق ہوتا ہے کہ جس طرح اور مرکبات درست ہیں اسی قیاس پر "ہندوستان" بجائے ہندو صحیح اور درست ہے، جیسا کہ "بہار عجم" نے بھی اس کی تائید کی ہے یعنے ہندوبار۔ ہندوزار - ہندوستان۔

ستان - زار - بار الفاظ ظرف ہیں۔ مثلاً زنگبار - گلزار - گلستاں وغیرہ۔

فرہنگ آصفیہ میں بھی ہندوستان کی تشریح ملک ہند - اور ہندی کی ہندوستانی موجود ہے

فرہنگ آنندراج میں "ہندستان" کی تشریح میں لفظ "ہندوستان" استعمال کیا گیا ہے

"نور اللغات" میں بھارت کے معنے ہندوستان ہیں نہ کہ ہندستان۔
"فوربس" نے ہندوستان اور ہندوستانی ہی لکھا ہے۔
"شکسپیر" نے بھی اس کو "ہندو" اور "ستان" سے مرکب تسلیم کیا ہے۔
"پلیٹس" نے بھی ساکن ہندوستان کو ہندوستانی کہا ہے۔ "ہندستانی" نہیں کہا ہے

اگر یہ کہا جائے کہ اس کو "عربستان" اور "فرنگستان" پر قیاس کرنا چاہئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ "عرب" کے معنے قوم عرب کے بھی ہیں، اس لئے عربستان کہنا درست ہے، فرنگستان کی دوسری صورت ہے۔ اس اصول پر ہند کو "ہندو" کے معنے میں لینا پڑے گا۔ حالانکہ یہ محتاج ثبوت ہے

دوسری غلطی یہ ہے کہ "عربستان" اور "فرنگستان" میں عرب اور فرنگی کی "ی" کی وجہ سے "ستان" کی "سین" مکسور معلوم ہوتی ہے۔ اور دونوں جگہ یائے نسبت محذوف ہے، اگر یہ اصول مانا جائے کہ ہند سے "ہندستان" ہوا ہے تو "استھان" کی وجہ سے "ہندستان" بفتح دال ہونا چاہئے

اگر "ہندی" سے ہندستان ہوگا تو کسرۂ دال سے ہندستان ہونا چاہئے۔
لیکن "ہند" سے "ہندستان" ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں مفہوم ظرف موجود ہے پھر علامت ظرف "ستان" کا اضافہ کیا؟
"ہندستان" بضم واؤ پر یہ قیاسات صحیح نہیں اُترتے

تخفیف اگر تخفیف کی صورت ہر حال میں درست ہو تو نثر میں ماہ کی جگہ "مہ" گاہ کی جگہ "گہ" کوہ کی جگہ "کہ" خورشید کی جگہ "خور" بھی عام طور پر رائج ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ "مخففات" کی خاص صورتیں ہوتی ہیں۔ بیشتر ضروریات شعر کی وجہ سے جائز ہوتے ہیں لیکن نثر نگار اصلی صورت میں لکھتے ہیں۔

جہاں کوئی مجبوری نہیں ہوتی وہاں اساتذہ "ہندوستان" لکھتے ہیں مثلاً میر تقی میر کا شعر ہے:۔

دلیکن کجا وزنہ ہوئے ادب سے کہ ممدوح اب شاہِ ہندوستاں ہے

(کلیات میر دیوان اول ص ۱۱)

سودا نے لکھا ہے:۔

مانگے جو زیرے کا دانہ پائے وہ کرماں کا ملک چاہے جو طوطی کا پر اسکو ملے ہندوستاں

(کلیات سودا ص ۸۸)

ان کے علاوہ داغ۔ امیر۔ جلال۔ مصحفی۔ انشا۔ حالی۔ اقبال۔ غالب۔ اکبر اور دوسرے اساتذہ نے "ہندوستان" لکھا ہے۔ آر۔ بی۔ ڈیو ہرسٹ مشہور فاضل مشرقیات اپنے استاد مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کو ایک نظم کے سلسلے میں ایک خط کے ذریعہ سے یہ

شعر لکھتے ہیں:- ؎

مرحبا اے بلبل ہندوستاں مرحبا اے طوطی شیریں زباں

مولانائے موصوف علیہ الرحمۃ ایک جگہ لکھتے ہیں:- ؎

جس سے ہندوستاں کو رونق ہے بلکہ سارے جہاں کو رونق ہے

ایک جگہ لکھتے ہیں:- ؎

کشورِ ہندوستاں شاہِ جہاں وکٹوریا

ضروریات شعر ایسے شعرا بھی ہیں جنہوں نے "ہندستان" ضرورتِ شعری کی وجہ سے لکھا ہے لیکن وہ سند میں پیش نہیں کیا جاسکتا،

اکثر الفاظ ایسے ملیں گے کہ شعر میں ان کا استعمال جائز ہے لیکن "نثر" میں درست نہیں مثلاً شیخ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے:- اذا یئس الانسان طال لسانہ کسنورٍ مغلوبٍ یصول علی الکلب

ضرورت شعری سے "ر" کی تنوین گر گئی لیکن نثر میں "کسنورٍ مغلوبٍ" لکھا جائے گا۔

ابن رشیق قیروانی اور دوسرے اساتذۂ فن نے اس کا ایک علیحدہ باب قائم کرکے دکھایا ہے کہ:-

ما یجوز للشاعر لا یجوز لغیرہ

جو شاعر کے لئے جائز ہے وہ غیر شاعر کے لئے نہیں۔

اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی، انگریزی میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو نظم میں جائز لیکن نثر میں ان کا استعمال نادرست ہے۔

نثر اور ہندوستان دعوے صحت "ہندستان" اس وقت درست ہو سکتا ہے جب یہ ثابت کیا جائے کہ اساتذہ نے "نثر" میں "ہندستان" لکھا ہو، کسی ضرورت یا مجبوری کا نتیجہ اصولاً سند نہیں ہو سکتا۔

اردو کے تمام مسلم الثبوت ادیبوں، انشا پردازوں نے اپنے تمام کتابوں میں "ہندوستان" ہی لکھا ہے مثلاً آزاد لکھتے ہیں:-

(۱) "برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے لیکن وہ ایسی زبان نہیں کہ دنیا کے پردے پر ہندوستان کے ساتھ ہی آئی ہو" (آبحیات)

(۲) شبلی فرماتے ہیں:-

"ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں" (سیرت النبی ج ۱ ص ۳)

(۳) "انشاء اللہ ہندوستان پہونچ کر تجویز کروں گا" (خطوط سرسید ص ۱۰۶)

(۴) غالب نے لکھا ہے:-

"ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں" (اردوے معلی ص ۱۵۲)

ان کے علاوہ، ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا ذکاء اللہ۔ شرر۔ سرشار۔ سجاد حسین نے کہیں "ہندستان" نہیں لکھا ہے

تماہی | دوسرا لفظ "تماہی"، اس سے زیادہ قابل اعتراض ہے، اس کی تفصیل اور تشریح یہ ہے:۔

یہ لفظ۔ اُردو (تین) اور فارسی (ماہی) سے مرکب ہے اگر "سہ" اس لئے ترک کیا گیا کہ فارسی ہے تو "ماہی"، کے برقرار رکھنے کا کیا اصول ہے؟

اساتذۂ اُردو نے "سہ ماہی"، "سہ ماہہ"، استعمال کیا ہے "تماہی"، اُردو میں پہلا لفظ ہے جو بہ تبعیت سید وحید الدین سلیم لکھا گیا ہے۔ حالانکہ سید صاحب نے "تماہہ"، لکھا ہے۔ اگر یہ کہا جاے کہ غالب نے چھ ماہی لکھا ہے لہٰذا اس قیاس پر "تماہی" درست ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھ ماہی میں لفظ چھ "اصلی صورت میں ہے ورنہ اس کو "چماہی"، یا اور کچھ ہونا چاہئے تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ "غالب"، نے جہاں استعمال کیا ہے اس خصوصیت کو مدنظر رکھ کر جس کے لئے یہ لفظ بولا گیا ہے۔

یہ لفظ صرف مُردوں کے لئے بولا جاتا ہے غالب نے اس کو ظاہر بھی کر دیا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی معنے نہ لغت میں ملتے ہیں اور نہ کلام اساتذہ میں

غالب نے کہا ہے:۔ ؎

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
(طنزیہ)
مجھکو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

پہلے شعر میں غالب نے کہا ہے کہ "چھ ماہی مُردے کی رسم ہے تمام دنیا کا دستور ہے کہ مردے کی چھ ماہی کرتی ہے۔

دوسرے شعر میں کہا ہے کہ:۔

لیکن میری نوعیت دنیا سے نرالی ہے یعنے ہر چھٹے مہینے جو تنخواہ ملتی ہے گویا جیتے جی میری "چھ ماہی"، ہوتی ہے۔ اس نظم کی نوعیت احتجاج کی ہے، احتجاج میں شکوہ بھی ہوتا ہے، طنز بھی، تقدیر کا گلہ بھی ہوتا ہے، نصیبوں کو بُرا کہا جاتا ہے، کہیں تہذیب اور خودداری سے باہر ہو جانا پڑتا ہے، کہیں خوشامد، کہیں غصہ غرضکہ اس قسم کے اکثر جذبات ہوتے ہیں، چنانچہ غالب نے آگے چل کر لکھا ہے:۔

(غصہ) دن کی دہوپ اور رات کی گرمی — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

غیرت دلانے کا انداز دیکھئے:۔ ؎

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا — آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

غرضکہ یہ خاص مواقع ہیں ان سے تعمیم کا فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ سودا نے گھوڑے کی ہجو میں ایسے ایسے شعر کہے ہیں کہ متانت اور ادبی تہذیب منھ چھپاتی ہے۔ لیکن فن کے اعتبار سے وہ نادرست نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی کے گھوڑے

کی تعریف کی جائے تو لکھا جائے کہ:-

گھوڑی کو دیکھتا ہے تو...... بار بار

میر حسن نے لکھنؤ کی ہجو میں، اور میر نے کوتوال کی ہجو میں جو کچھ لکھا ہے اس کا بھی خاص موقع ہے۔

"اکبر" نے ایک جگہ "بیگم کی نوج" کہا ہے اس کا بھی وہی موقع ہے جہاں وہ لکھ چکے ہیں۔

جان صاحب اور رنگین نے جو محاورے استعمال کئے ہیں وہ بھی خاص ہیں اور خاص موقع کے لئے کہ ان کی تعمیم جائز نہیں۔

نتیجہ | اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ "ہندوستان" اور "تماہی" پر جتنے اصول پیش کئے گئے ہیں کسی ایک کے اعتبار سے بھی درست نہیں بلکہ "ہندستان" بجائے ہندوستان اور تماہی بجائے سہ ماہی میں نقص ترکیب اور ضعف تالیف ہے

جب یہ طے ہو چکا کہ "سماعی" الفاظ کے لئے اصول اور قیاس درست نہیں اور شخص واحد یا اشخاص محدود کسی زبان میں اضافہ نہیں کر سکتے تو ان لفظوں کا اضافہ کیا معنے رکھتا ہے۔ کتب لغت اور اقوال اساتذہ میں بھی ان کا درست ہونا یا وجود متحقق نہیں۔

اہل ملک نے بھی پسند نہیں کیا بلکہ ہر طرف سے اعتراضات کئے جا رہے ہیں، موافقین نے جو کچھ لکھا ہے وہ مجموعی طور پر بھی قابل اعتنا نہیں، نہ ان کا منشا معترضین کو خاموش کرنا ہے۔

لفظ "تماہی"، "سہ ماہی" کی جگہ ترکیب کی غیر موزونی اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ "سہ ماہی" میں لفظ سہ اور ماہی دونوں فارسی ہیں اور "تماہی" میں اردو لفظ تین کی بگڑی ہوئی شکل اور فارسی کا ایک ٹکڑا ہے، اصولیوں کے نزدیک خلوص ہمیشہ "خلط" اور "امتزاج" سے بہتر ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک شخص کے نزدیک یہ لفظ بہتر ہے اور یہ اس کی ذاتی رائے ہے دوسرا شخص اپنی ذاتی رائے کے اعتبار سے "ترماہی" کہتا ہے، تیسرا "ماہی تر" بولتا ہے ایسی صورت میں کیا چیز ہوگی جو ان اختلافات کو دور کرکے کوئی راہ مشترک پیدا کرے؛

یہ سمجھنا چاہیئے کہ "زبان" قوم اور سیاست کی جدوجہد کا محور ہوتی ہے بلکہ قومیت کی زندگی کا مدار "زبان" پر ہے۔ آج یورپ نے یہ راز "اسلام" کے سمجھنے کے سیکڑوں برس بعد سمجھا ہے اس لئے اسکی سب سے زیادہ توجہ "زبان" کی طرف ہے

"ہندوستان" اگر زندہ رہنا چاہتا ہے تو اس کو بھی اپنی "زبان" کی حفاظت میں ہر قسم کے "ایثار" اور جسارت کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

اگر یہ مضمون مفید ہو تو اس عمل اور کوشش کے لئے حضرت نیاز کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس موضوع پر انھوں نے سب سے پہلے فاتحانہ قلم اٹھایا ہے۔ ہمارا مضمون تو تقلیدی اور نقش ثانی ہے۔

"محقق" اعظمی

قوت وشجاعت کا دیوتا اور جام زہر

یعنی

ہنی بال کا افسانۂ عروج وزوال

(۱)

مسیح سے ۲۳۸ سنہ قبل کا زمانہ ہے۔ شہر قرطاجنہ میں بعل ملوخ کے مندر میں قربانگاہ کے سامنے مشہور سپہ سالار حملکار برقہ کھڑا ہوا ہے۔ اور اس جنگی تاخت کی کامیابی کے لئے دیوتا پر بھینٹ چڑھا رہا ہے جو وہ ملک ہسپانیہ پر کرنے والا ہے۔ افسران فوج چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور قریب ہی ایک کمسن لڑکا کھڑا ہوا ہے جس کی شباہت صاف کہے دیتی ہے کہ سپہ سالار سے اس کا کیا رشتہ ہو سکتا ہے۔ اس نو عمر لڑکے کا نام ہنی بال ہے۔ یعنی "خداوند بعل کا عطیہ"، اوّل اوّل جب رومیوں نے اہل صقلیہ سے جنگ کی تھی، اسوقت ہنی بال پیدا ہوا تھا یہی وہ زمانہ تھا جبکہ جنرل حملکار نے رومیوں کے خلاف نہایت شجاعت کے ساتھ چھ برس تک لگاتار جنگیں کی تھیں۔ تاکہ رومیوں کو جزیرہ صقلیہ میں نہ آنے دے۔ لیکن قرطاجنہ کی طرف سے عین وقت پر مدد نہ مل سکنے سے جنرل مذکور کی تمام کوششیں خاک میں مل گئی تھیں۔ کمسن ہنی بال کا ننھا سا دل فخر وناز اور شرم وحیا دونوں قسم کے جذبات کا ایک معمورہ تھا۔ باپ کی بہادری اور شجاعت کے حالات سنکر جس نے بنوک سناں لاکھوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کا دل فخر وناز سے بھر جاتا تھا۔ اور جب اس کو اپنی قوم کی شکست کا خیال آتا تھا تو شرم کے مارے وہ سرنگوں ہو جاتا تھا۔ قرطاجنہ جو کسی وقت اپنی بحری قوت کے لحاظ سے ممتاز تھا اب ہمیشہ کے نکبت وادبار کے قعر مذلت میں گر پڑا تھا۔

جب بعل ملوخ دیوتا کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھانے کی تمام رسمیں پوری ہو چکیں تو حملکار اعظم نے اپنے نو عمر بیٹے کو اشارہ سے بلایا۔ اور ایک طرف لیجا کر جہاں دوسرا کوئی شخص ان کی بات نہ سن سکتا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ ہسپانیہ کی جنگی مہم پر جانا چاہتا

ہے۔ ہنی بال نے کہا "ہاں" اس کا باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر دیوتائی قربانگاہ پر لے گیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ قربانی پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ جب تک زندہ رہے گا اسوقت تک روم کی دشمنی سے باز نہ آئیگا۔ جب ہنی بال نے قربانی کے خون سے قشقہ اپنی پیشانی پر لگا کر حلف لیا کہ جب تک وہ زندہ رہیگا۔ روم کا دشمن رہیگا۔ تو باپ نے فرط محبت میں سینہ سے لپٹا لیا۔ اور اس طرح ایک "خونین حلف" سے دونوں کا "خونین رشتہ" اور بھی زیادہ مضبوط کر دیا۔ اب دونوں نے اس مہم پر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جہاں سے باپ کو اپنے وطن واپس آنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ اور بیٹا بھی آیا تو چھتیس برس بعد گویا وہ خونین حلف اور قربانی کے خون کا چھوٹا سا قشقہ ایک پیشین گوئی تھی اس بات کی کہ ۳۶ برس کے عرصہ میں لاکھوں آدمیوں کا گرم خون پانی کی طرح بہے گا۔

(۲)

گزشتہ واقعہ کو بیس برس گذر چکے ہیں۔ ملک اطالیہ کے شمالی کوہستان کے دامن میں ایک عظیم الشان فوج کا اجتماع ہو رہا ہے جنکے چہرے مسلسل فاقہ کشی اور لگاتار محنت کی وجہ سے اُتر گئے ہیں۔ جنکی آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں اور جن میں سے ہر ایک کی صورت پر خستگی و درماندگی برس رہی ہے اس فوج میں مختلف اقوام و ملل کے جوان شامل ہیں۔ پیدل فوج ہسپانوی اور افریقی جوانوں پر مشتمل ہے سواروں میں بربر اور صحرا نشین بدوی داخل ہیں۔ ان میں جزائر بلیاری کے فلاخن انداز بھی ہیں۔ اور فرانس کے تیر انداز بھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت روم کی دشمن کتنی قومیں ہیں جو اس کو تباہ و برباد کرنے چلی ہیں۔

جب یہ فوج اطالیہ کے میدانوں میں اُتری تو اس وقت اِس کی تعداد بیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار تھی۔ گویا یہ مٹھی بھر فوج اس قوم پر حملہ کرنے آئی تھی جو خود اپنی زمین پر لڑتی تھی۔ اور جسکی تعداد بھی اس وقت ڈھائی لاکھ مسلح جوانوں اور ساڑھے سات لاکھ ردیف پر مشتمل تھی۔

اگر مادی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس وقت رومیوں کا پلہ ہر طرح بھاری تھا لیکن باوجود اس کے بھی اہل روم یہ خبر سنکر خائف تھے وہ ایسا محسوس کر رہے تھے۔ گویا بعل ملوخ پہاڑوں پر اُتر آیا ہے اور اس کا خوفناک سایہ اطالیہ کی زرخیز میدانوں پر پڑ رہا ہے۔

(۳)

ان واقعات کو دو سال گذر چکے ہیں۔ معرکۂ کنائی شام ہے۔ شمشیر انتقام علم ہے۔ اور دشمن دست و پا بستہ سامنے پڑا ہوا ہے۔ صرف تلوار کی جنبش کی دیر ہے اور دشمن کا خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ مگر نہیں! تلوار میں جنبش پیدا نہیں ہوتی۔ کیوں؟ یہی وہ تاریخی معمہ ہے جس نے مورخوں کو آج تک پریشان رکھا۔

جب سے ہنی بال (اطالیہ میں داخل ہوا ہے وہ رومی فوجوں کو تین زبردست جنگوں میں شکست دے چکا ہے۔ پہلی جنگ تریبیا (Trebia) میں ہوئی۔ جہاں اس نے شدت کی سردی میں صبح کے وقت دشمن کو ناشتہ کئے بغیر لڑنے پر مجبور کیا۔ اور شکست دی۔ دوسری جنگ سنہ ۲۱۷ قبل مسیح فصل بہار میں جھیل ٹراسیمنس کے کنارے پر ہوئی۔ یہاں بھی ہنی بال نے نہایت جرأت و ہوشیاری سے کام لیا۔ اور ہنی بال کی فوج صبح کے کہر میں پہاڑیوں سے نکل کر دشمن پر بیخبری میں آپڑی اور راہ فرار بند کر کے دشمن کو تہ تیغ رکھ کر تباہ کر دیا

اب رومہ کا راستہ صاف تھا - صرف سو میل کا فاصلہ طے کرنا باقی رہ گیا تھا - اور مزاحمت کے لئے اہل رومہ کے پاس کوئی باقاعدہ فوج بھی نہیں رہی تھی - مگر بجائے اس کے وہ رومہ کی طرف کوچ کرے - ہینی بال نے اپنی فوجوں کا رخ مشرق کی طرف سواحل بحیرۂ ایدریاطیق کی طرف پھیر دیا - اور تمام وسیع ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا - اس نے رومہ کا رُخ کیوں نہیں کیا، اس کے جو اسباب بھی ہوں - لیکن یہ یقین ہے کہ ہینی بال اس طرح رومہ کے حلیفوں کو اپنے قابو میں لانا چاہتا تھا - ہر چند اس واقعہ کے بعد رومیوں کو دم لینے کا کسی قدر موقعہ مل گیا تھا - اور ان کے خلاف سخت پروپاگنڈہ میں مصروف تھا - لیکن وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ملوخ بُت کے منھ سے شعلہ ہائے آتشیں نکل کر ان کے چہروں کو جھلسائے دیتے ہیں - اس لئے اب انھوں نے فابیس نامی ایک شخص کو اپنا فرمانفرما مقرر کیا جس نے وہ مشہور جنگی چال اختیار کی جو اس کے نام سے اب تک منسوب چلی آتی ہے - یعنی اس نے یہ کوشش کی کہ بالمواجہ جنگ کرنے سے محترز رہکر دشمن کو کمزور کرے -

لیکن جب فابیس کی مدت شش ماہہ گذر گئی تو رومیوں نے دیکھا کہ ہینی بال کی فوج نے ان کے حلفا، کا تمام علاقہ تباہ و برباد کر دیا ہے - اس لئے وہ سامنے ہو کر لڑنے پر مجبور ہوئے - اور مقام کنّا کے میدان جنگ میں انھوں نے اپنی عظیم ترین سپاہ کا اجتماع کیا - مگر ہینی بال نے اپنی جنگی قابلیت سے کام لے کر سب کو گھاس کی طرح کاٹ کر پھینک دیا -

------ رومیوں کی فوج کا قتل عام کرنے کے بعد اسی روز شام کو افریقی رسالوں کے کماندار مہربال نے ہینی بال سے کہا :-

"مجھے رومہ پر دھاوا کرنے دیجئے - اور آپ پیچھے پیچھے چلے آئیے - اگر خداوند بعل ملوخ کو منظور ہوا تو آج سے پانچویں دن پایۂ تخت میں جشن فتح منعقد ہو گا"

اس پر ہینی بال نے کہا کہ ابھی اس معاملہ پر غور و خوض کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے - یہ سُنکر مہربال بگڑ گیا اور اس نے طنزاً کہا کہ :-

"ہینی بال تم فتح حاصل کرنا تو خوب جانتے ہو - لیکن فتح سے فائدہ اُٹھانا قطعی نہیں جانتے -"

ممکن ہے کہ مہربال کا قول غلط ہو - لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ ہینی بال نے اپنی اس عظیم الشان فتح سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا - یقیناً ہینی بال کے اس تساہل کا کوئی زیادہ گہرا سبب ہے - اس تمام جنگ و جدال اور کشت و خون سے ہینی بال کا اصلی مقصد کیا تھا؟ انتقام! اور صرف انتقام - یہ ایک سامی النسل قوم کا انتقام تھا -

قدیم زمانہ کے نیم وحشی لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی دشمن سے انتقام لیتے تھے تو وہ اس کو جلد قتل نہیں کرتے تھے - بلکہ آہستہ آہستہ عذاب دے کر اس کی جان لیا کرتے تھے - تاکہ جسقدر دشمن کو زیادہ تکلیف ہو - اسی قدر انتقام میں لطف آئے - دشمن سے نہ صرف بدلا لیا جاتا تھا بلکہ اسے محسوس کرایا جاتا تھا کہ بدلا لیا جا رہا ہے - انسان کی اس ابتدائی فطرت کا اثر ہینی بال کی طبیعت پر بھی ہونا چاہئے تھا - اگر کوہستان البیس کی بلند چوٹیوں پر سے اتر کر بجلی کی طرح رومیوں پر ہینی بال آگرتا تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ دشمن اپنے بال بچّوں، اپنی عزت و ناموس اور اپنے وطن کی حفاظت میں لڑ کر جان دے دیتا اور دنیا میں نام کر جاتا - لیکن

اگر روم کی فوجوں کو یکے بعد دیگرے شکست دی جائے۔ اس کے حلیفوں اور دوستوں کو اس سے رفتہ رفتہ توڑ لیا جائے۔ اسے ان لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل کر دیا جائے جو کل تک اس کے نام سے تھراتے تھے۔ اور بالآخر پوری طرح بے بس کر کے اُس کی جان لی جائے۔ تو یہ ہے انتقام۔ یہ ہے پُر لطف سماتیقی انتقام۔

(۴)

پانچ سال کا زمانہ اور گزر گیا۔ ہینی بال ایک گھوڑے پر سوار شہر رومہ کی فصیل کے سامنے خراماں خراماں جا رہا ہے۔ اور اس شہر کو اطمینان کی نظروں سے دیکھ رہا ہے جس کی ابدی دشمنی کا اس نے قرطاجنہ میں آج سے ۲۷ برس بیشتر حلف اٹھایا تھا۔ مضافات شہر کے لوگ شہر میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ اور رات کے وقت گاؤں کے جلنے کی جو روشنی دُور دُور تک نظر آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداوند بعل ملوخ کا قہر و غضب روم پر ٹوٹ رہا ہے۔ ہینی بال شہر رومہ پر نظریں ڈالتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کا نیزہ شہر پناہ کے اوپر سے شہر میں پھینکتا ہے۔ وہ رومہ کی طرف ذلت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور شہر کے سامنے سے چلا جاتا ہے۔

فتح کنّنا کے بعد شہر کاپوا کے ساتھ بہت سے اطالوی شہروں نے ہینی بال کی اطاعت کر لی تھی۔ شہر کاپوا وسعت اور دولت کے لحاظ سے شہر رومہ کا قریب ترین حریف تھا۔ لیکن اس علاقہ میں بھی بہت سے مقامات پر ابھی تک روم کی قلعہ بند فوجیں دشمن کی مدافعت کر رہی تھیں۔ اور اطالیہ کا مغربی حصّہ ابھی تک پوری طرح سے روم کے زیر فرماں تھا۔ واقعہ کنّنا کے بعد روم کو اسقدر فرصت مل گئی تھی کہ وہ تازہ دم فوجیں بھرتی کر لے۔ ادھر ہینی بال کے جدید حلفاء نے یہ چال چلی کہ وہ ہینی بال کی مدد خود تو لے لیتے تھے۔ لیکن اپنی طرف سے اس کو کوئی مدد نہیں دیتے تھے۔ اب رومی فوجیں بھی کافی ہوشیار ہو گئی تھیں۔ اور ہینی بال سے میدان میں کبھی نہیں لڑتی تھیں۔ بلکہ وہ اس کے دوستوں اور حلیفوں پر چھاپے مار کر ان کو دق کرتی تھیں۔

۲۱۳ قبل مسیح میں جبکہ ہینی بال اطالیہ کے جنوب میں شہر تارنتم کا محاصرہ کر رہا تھا۔ تو ادھر رومیوں نے شہر کاپوا کو محصور کر لیا۔ اور اگرچہ ایک مرتبہ ہینی بال نے آکر محاصرہ اٹھا دیا تھا۔ مگر رومی جنرل اس کو پھر دوسری طرف لگائے گیا یعنی دوسرے شہر پر جا کر چڑھائی کی اور جب ہینی بال اس طرف گیا تو رومیوں نے پھر آکر شہر کاپوا کو گھیر لیا۔ اور اس مرتبہ رومیوں نے اِسقدر مضبوط مورچہ بندی کی تھی کہ جب ہینی بال نے آکر محاصرہ اُٹھانے کی کوشش کی تو وہ ناکام رہا۔ لیکن اس کے جواب میں ہینی بال نے یہ چال چلی کہ اس نے شہر رومہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن کاپوا یا رومہ میں کسی جگہ بھی رومی جرنیل ہینی بال کی اس چال سے دہوکے میں نہ آئے۔ انھوں نے کاپوا کا محاصرہ بدستور قائم رکھا۔ صرف ایک مختصر سی فوج ہٹا کر رومہ کی مدد کے لئے بھیجدی۔ جہاں بہت سی جدید فوج بھرتی ہو کر پہلے ہی موجود ہو گئی تھی۔

جب کاپوا میں اہل رومہ نے پھر قبضہ کر لیا تو ہینی بال کو اپنے آدمیوں کے سوائے اور کسی طرف سے امداد و اعانت کی توقع نہ رہی۔ کارتھیج کی طرف سے اس کو بہت قلیل کمک پہونچی تھی۔ کیونکہ اہل کارتھیج فنیقی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ قوم سوداگروں اور دوکانداروں کی قوم تھی۔ جو صرف اس خیال سے جنگ کو پسند کرتی تھی کہ فتوحات کے ذریعہ سے تجارت کے لئے جدید میدان

ہاتھ آئیں گے، وہ نہ وسعت سلطنت کے خواہاں تھی نہ انتقام کی۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا۔ کہ اس قوم میں افتراق پیدا ہو گیا۔ "صلح پسندوں" کی ایک طاقتور پارٹی پیدا ہو گئی۔ جو ہینی بال کی سخت مخالف تھی۔

جب ہینی بال نے لکھا کہ :۔

"میں نے دشمن کی فوجیں تہ تیغ کر دی ہیں۔ اب مجھے سپاہی بھیجو۔"

تو مخالفین یہ کہتے ہیں کہ جب دشمن کی فوجیں نیست و نابود ہو گئی ہیں تو پھر فوج کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ہینی بال لکھتا کہ "میں نے رسد اور مال غنیمت سے بھرے ہوئے دشمن کے "کیمپ فتح کر لئے ہیں۔ مجھے روپیہ اور سامان بھیجو" تو مخالفین کہتے کہ جب "کیمپوں کا سامان رسد اور مال ہاتھ آگیا ہے تو مزید رسد اور روپیہ کی کیا ضرورت ہے۔

جب وطن سے ہینی بال کو مدد نہ پہونچی تو اب صرف یہ امید باقی رہ گئی کہ اپنے ہسپانوی مستقر سے مدد طلب کی جائے۔ لیکن اس میں رومیوں نے مزاحمت کی۔ یعنی باوجودیکہ اس وقت رومیوں کو خود اپنا گھر بچانے کے لئے فوجوں کی سخت ضرورت تھی۔ مگر انھوں نے ہسپانیہ میں برابر بڑی بڑی فوجیں قائم رکھیں۔ اور دو مشہور رومی جرنیلوں نے کارتھیج کی فوجوں کو ہسپانیہ میں پوری طرح مصروف رکھا۔

اب ہینی بال کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ کیونکہ رُومی فوجوں نے اسے جنوبی اطالیہ میں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اور روز بروز یہ حلقہ تنگ ہوتا جاتا تھا۔

(۵)

کنّنا کے میدان جنگ سے چند میل کے فاصلہ پر بمقام کانوسیم ہینی بال کا کیمپ پڑا ہوا ہے۔ اور اس کے سامنے ہی رومی سپاہ خیمہ زن ہے۔ جس کی کمان اس وقت نیرو (Nero) کے ہاتھ میں ہے ایک نیرو یہ ہے جو اس وقت کارتھیج کی تباہی پر کمربستہ ہے اور اب سے تین صدی بعد ایک اور نیرو پیدا ہوگا جو خود روم کو تباہ کر دے گا۔ ہینی بال کی فوج نے دیکھا۔ کہ رُومی کیمپ سے ایک جماعت برآمد ہوئی۔ اور جب وہ آگے بڑھی تو ہینی بال کی فوج نے شناخت کیا کہ ایک فوجی دستہ کی حراست میں پابزنجیر افریقی قیدیوں کی ایک جماعت ہے۔ اس کے بعد بدرقہ کے سپاہیوں میں سے ایک جوان آگے بڑھا۔ اور اس نے زمین پر ایک کٹا ہوا سر پھینکا۔ اس کے بعد یہ جماعت واپس ہو گئی۔ یہ تماشہ دیکھ کر ہینی بال کی فوج کو تحقیقات حالات کا اشتیاق پیدا ہوا اور چند سپاہیوں کے آگے بڑھ کر وہ سر اٹھا لیا۔ اور ہینی بال کے پاس لے گئے۔ ہینی بال نے جب یہ سر دیکھا تو اپنے بھائی سے مشابہ پایا۔ اس وقت گویا ہینی بال کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا۔ کہ اس کا بھائی ہسدروبال بھی اطالیہ میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد رومیوں نے دو قیدی رہا کئے۔ جنھوں نے ہینی بال کے پاس آکر کارتھیج رُومیوں کے حملہ اور اس کے ہسدروبال کی شکست اور قتل کا مفصّل حال بیان کیا۔

اب ہینی بال نے سمجھ لیا کہ فتح کی آخری اُمید بھی زائل ہو گئی۔ اس لئے اس نے وہ مقام چھوڑ دیا جہاں نو برس بیشتر

اس نے رومیوں کو اسقدر ذلیل شکست دی تھی - اب وہ برو ٹیم پہونچ گیا جو اطالیہ کے جنوب میں واقع ہے - یہاں رومیوں نے اس پر چاروں طرف سے زغہ کیا اور گھیر لیا - وہ اس ایک زخمی شیر کی مانند تھا - جسے شکاریوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا مگر سامنے کوئی نہیں آتا تھا - سوائے ہینی بال کے مقابلہ کے اب رومیوں کو ہر جگہ فتح حاصل ہوتی تھی - لیکن ہینی بال کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے - سولہ برس تک ہینی بال ایک غیر ملک میں چاروں طرف شمشیر زنی کرتا پھرا اور کسی جگہ اس نے پشت نہ دکھائی - اور واقعہ کنّا کے بعد تو اس سے کوئی آنکھ ملانے والا نہ رہا تھا، اس کو کسی طرف سے مدد نہیں ملتی تھی - مگر وہ جنگ کو جنگ ہی کے ذریعہ سے جاری رکھتا تھا - اور یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی - ایک مختلف الطبائع سپاہ کو اس طرح متفق و متحد رکھنا - کوہستان ایلپس کی برف پوش چوٹیوں کو طے کر کے اطالیہ کے قلب میں گھس جانا، ہینی بال ہی کا کام تھا - سپاہی گرمی و سردی کی سختیاں برداشت کرتے تھے - رسد نہ ملنے پر فاقہ کشی کرتے تھے - لیکن وہ اپنے سپہ سالار کے اسقدر وفادار اور جان نثار تھے کہ اس سے دغا کرنا تو درکنار اس کا ساتھ چھوڑنے کا خیال تک دل میں نہ لاتے تھے - حالانکہ اس وقت چودہ سال سے ہینی بال کا اقبال مسلسل طور پر زوال پذیر تھا - ہینی بال اگرچہ چاروں طرف سے گھر گیا تھا - مگر رومی فوجیں اس سے دور ہی دور رہتی تھیں - اور جس وقت وہ اطالیہ سے روانہ ہوا تو کسی کا حوصلہ نہ ہوا کہ اسے روک سکے -

اطالیہ میں رہ کر رومیوں سے انتقام لینے کا منصوبہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ کارتھیج میں اس کو فوراً طلب کر لیا گیا - کیونکہ اسوقت سیپیو رومی جنرل کی طرف سے خود کارتھیج کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا - یہ وہی نوجوان رومی جنرل ہے جس نے اہل کارتھیج کو ہسپانیہ میں شکست پر شکست دی - تمام ملک فتح کر لیا اور جو سلطنت جنرل حملکار برقہ نے اسقدر محنت سے قائم کی تھی - اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اب وہ خود افریقہ میں جا گھسا تھا - تاکہ کارتھیج پر حملہ کر کے ہینی بال سے انتقام لے - روما کے دار الاعیان نے سیپیو کو ہر چند منع کیا کہ وہ افریقہ نہ جائے اور جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام لے مگر اس نے کچھ پروا نہ کی اور خود ہینی بال کے گھر پر حملہ کرنے کی ٹھان لی دار الاعیان کی یہ ہدایت تھی کہ اطالیہ میں دشمن کے خلاف تمام طاقت صرف کی جائے - مگر سیپیو نے یہی پسند کیا کہ دشمن پر عقب سے حملہ کیا جائے - جب جنرل سیپیو نے دار الاعیان کا حکم نہ مانا تو وہ اس کی اس گستاخی پر سخت برافروختہ ہوئے تو انھوں نے اس کے خلاف ایک لغو سا الزام عائد کر کے سیپیو کو برخاست کر دینا چاہا - لیکن جب وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے یہ طے کیا - کہ سیپیو کو روم کی طرف سے اتنی ہی مدد دی جائے جتنی مدد کارتھیج نے اس کے حریف ہینی بال کو دی تھی -

سیپیو جزیرہ صقلیہ سے چل کھڑا ہوا اور سواحل افریقہ پر اپنے قدم جما لئے - اس کے بعد آگے بڑھا اور اس نے کارتھیج اور اسکے حلیفوں کی فوجوں کو شکست پر شکست دینا شروع کر دی - اور قبل اس کے کہ ہینی بال کارتھیج کی مدد کو پہونچے - سیپیو نے اہل کارتھیج کو اسقدر ذکیں دیں کہ وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے - لیکن جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہینی بال افریقہ میں آگیا ہے تو اہل کارتھیج کے حوصلے بڑھ گئے - اور انھوں نے صلح نامہ توڑ دیا - اس وقت سیپیو کی حالت جو غیر ملک میں گھسا ہوا لڑ رہا تھا - اسقدر خراب ہو گئی کہ وہ پریشان ہو گیا - لیکن اس نے جنگی نقطۂ نظر سے اسقدر عمدہ چال چلی کہ بہت جلد قسمت کا پانسہ اس کے موافق پڑنے لگا - یعنی بجائے اس کے

کہ وہ پسپا ہوکر اپنے ساحلی مستقر پر واپس آجائے۔ وہ حملہ کرکے اندرون ملک کی طرف اور آگے بڑھ گیا۔ سیپیو کی اس نقل وحرکت سے کارتھیج کا ذریعہ رسد رسانی خطرہ میں پڑ گیا۔ لیکن فوراً ہی ہینی بال نے پہونچ کر اسے ایک میدان میں گھیر لیا۔ جہاں سے اس کو اہل بربر کی طرف سے بھی کمک پہونچنے کی امید تھی۔

(۶)

سنہ ۲۰۲ قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ اور زامہ کے میدان جنگ پر آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف لاشوں کی قطار کے پیچھے سے رومی فوج کی ایک قطار بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جو غیر متوقع طور پر بہت لمبی ہے۔ اور ہر شخص اس خوف سے کہ اس زمین پر جہاں خون کے دریا بہہ گئے تھے پاؤں پھسل جائے۔ پھونک پھونک کر قدم آگے ڈال رہا تھا۔ دن بھر کشت وخون میں گزر گیا تھا۔ اور ہینی بال عرصہ دراز سے اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس نے اپنی پرانی اور جنگ آزمودہ چوبیس ہزار فوج کو جو اطالیہ سے اس کے ساتھ آئی تھی۔ آگے بڑھایا

دونوں فوجیں گتھ گئیں۔ اور گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ اتنے میں کارتھیج کی سپاہ کی عقبی صفیں اپنے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنتی ہیں۔ یہ آوازیں سیپیو کی سوار فوج کی تھیں۔ جو عین وقت پر دشمن کا تعاقب کرکے واپس آگئی تھی۔ اور یہی وہ چال تھی جو رومی جرنیل نے خوب سوچ سمجھ کر چلی تھی۔ اب جو حالت معرکہ کنّا میں رومی فوج کی ہوئی تھی وہی حالت اب کارتھیج کی فوج کی ہوئی۔

(۷)

چند ہفتہ بعد ——— شہر کارتھیج میں کیا ہو رہا ہے؟ مجلس ملیہ میں ان شرائط صلح پر بحث ہو رہی ہے جو نوجوان رومی جرنل سیپیو کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ شرائط خلاف توقع بہت نرم ہیں۔ باوجودیکہ اس وقت کارتھیج کی حالت بہت خراب ہے۔ مگر ایک فصیح البیان مقرر ابھی تک اسی بات پر زور دے رہا ہے کہ جنگ جاری رکھی جائے۔ ہینی بال ایسی باتیں سنتے سنتے تھک گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ جب ہینی بال کی اس حرکت پر اسمبلی میں ہر طرف سے اظہار ناراضی ہونے لگا تو اس نے یہ کہہ کر معافی مانگ لی کہ چونکہ اسے ۳۶ برس ملک سے باہر جنگ کرتے گذرے ہیں اس لئے وہ آداب مجلس سے واقف نہیں۔ اس کے بعد ہینی بال نے مجلس سے درخواست کی کہ سیپیو کی پیش کردہ شرائط صلح منظور کر لی جائیں۔

صلح ہو گئی۔ اور ہینی بال نے شرائط صلح کی سات برس تک حرف بحرف پابندی کی۔ اور اپنی خداداد قابلیتوں سے جنگ کے بجائے وہ ملکی نظم ونسق کی درستی کا کام لینے لگا۔ اور چند روز میں کارتھیج پہلے کی طرح پھر خوشحال ہو گیا

قوم سے انتقام لینے کی جو زبردست اسکیم اس نے سوچی تھی کیا اس کے غیر کامیاب ہونے کے ساتھ ہی اس کی طبیعت بھی بدل گئی یعنی تخریبی مشاغل کو فضول سمجھ کر اب وہ ہمیشہ کے لئے تعمیری مشاغل میں مصروف رہے گا۔ یا اس کا مقصد یہ ہے کہ فرصت کا وقت غنیمت سمجھ کر وہ خود کو اسقدر طاقتور بنالے کہ پھر روم سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے؟ یہ راز کبھی نہیں کھل سکتا۔ کیونکہ

اب ایک جدید جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا تھا اور وہ روم کا جذبۂ انتقام ہنی بال کے خلاف تھا۔ جنرل سپیو نے ہر چند سفارش کی کہ شخص واحد کے خلاف اسقدر شدید جذبۂ انتقام پیدا کرنا روم کی شان کے خلاف ہے۔ مگر کسی نے نہ سنا۔ اور کیتھو نے اہل کارتھیج کو ہر طرح ستانا شروع کر دیا۔ جب ہنی بال کو اپنی جان کا خوف ہوا تو وہ جہاز میں سوار ہو کر کارتھیج سے روانہ ہوا۔ اور اس نے پھر رومیوں سے انتقام لینے کی ٹھانی۔ ممالک مغرب کو رومیوں کے خلاف اُبھارنے میں تو وہ ناکام رہا تھا۔ اب اس نے ممالک مشرق کو روم کا دشمن بنانے کی کوشش کی۔ اور وہ بقیہ عمر اسی فکر میں گذارتا رہا کہ جس ملک سے اُس کے آباد اجداد آئے تھے اسی ملک کو روم کے خلاف صف آرا کیا جائے۔ وہ بادشاہ شام ملک انطیوکس کے دربار میں جاتا ہے۔ (جو اس فکر میں ہے کہ رومیوں کی بڑھتی ہوئی رو کو روکنے کے لئے ملک یونان پر حملہ آور ہو) اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ ملک انطیوکس یونان کی طرف سے اور وہ خود کارتھیج کی طرف سے اطالیہ پر حملہ آور ہو۔ اور اس طرح رومیوں پر دو طرف سے ضرب لگائی جائے۔ لیکن انطیوکس کسی قدر تنگ مزاج آدمی واقع ہوا تھا۔ اس لئے یہ اسکیم پوری نہ ہوئی۔ کچھ دنوں بعد ایک رومی فوج نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا۔ اور اس طرح ملک انطیوکس بھی مغلوب ہو گیا۔ رومیوں نے جو شرائط صلح پیش کیں ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہنی بال کو حوالہ کر دیا جائے۔ لیکن ہنی بال کو عین وقت پر خبر ہو گئی اور وہ پہلے تو جزیرہ کریٹ کو اور بعد ازاں ملک بتھنیا کی طرف چلا گیا۔ جہاں کے بادشاہ پروسیاس نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔

(۸)

غروب آفتاب کا وقت ہے۔ شام کے دھندلکے پر رات کی تاریکی غالب آتی جاتی ہے۔ جو محل شاہ پروسیاس نے ہنی بال کے رہنے کے لئے دیا تھا۔ اس کا ایک سیاہ پوش جماعت محاصرہ کر رہی ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد ایک مسلح جماعت اندر داخل ہو جاتی ہے۔ ہنی بال جانتا تھا کہ چند روز سے رومیوں کا ایک ایلچی شاہ پروسیاس کے دربار میں آیا ہوا ہے۔ اس لئے وہ خوب سمجھتا تھا کہ کوئی کارروائی ضرور ہونے والی ہے۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ بادشاہوں کے وعدے کس قدر کچے اور ناستوار ہوتے ہیں۔ ہنی بال کے ملازم دوڑ کر جاتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ بچنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ انھوں نے اس دن کے لئے محل سے باہر نکلنے کا ایک خفیہ راستہ بھی بنا لیا تھا۔ مگر ہر جگہ شاہی سپاہیوں کو متعین دیکھا۔ لیکن اس وقت ہنی بال کے سامنے ایک راستہ ضرور کھلا ہوا تھا۔ اور یہ وہ راستہ تھا جسے کوئی بند نہ کر سکتا تھا۔ ہنی بال نے فوراً زہر طلب کیا جو اسی مقصد کے لئے عرصہ سے تیار کر لیا گیا۔ اور پورے اطمینان کے ساتھ زہر ہاتھ میں لے کر اس نے یہ کہا:-

"مجھے اب اس خطرہ کا خاتمہ کر دینا چاہئے جس میں اہل روم عرصہ سے گرفتار رہے ہیں۔ کیونکہ شاید وہ اسقدر انتظار نہیں کر سکتے کہ میں اپنی عمر طبعی کو پہونچ کر ان کو مطمئن کر دوں"

یہ کہہ کر اس نے جام زہر خالی کر دیا۔ اور آخرکار اس طرح اس شخص کا خاتمہ ہوا، جو دنیا کی تاریخ کو یقیناً بدل دیتا۔ اگر اس کی مدد اہل ملک نے وقت پر کی ہوتی۔

نیاز

اقبالنامہ جہانگیری کا ایک قلمی نسخہ

اور

عہد مغلیہ کے ایک درباری اہل قلم کے چشمدید بیانات

گزشتہ سے پیوستہ

نذر و پیشکش مصنف اقبالنامہ نے جستہ جستہ ان تمام جواہرات و نقود کا تذکرہ کیا ہے، جو وقتاً فوقتاً بادشاہ یا شاہجہاں کو نذر دیئے گئے، لعل و یاقوت، الماس و زمرد، وغیرہ۔ جواہرات پر ایک مکمل تبصرہ کیا ہے: چنانچہ لکھتا ہے،

مرتضیٰ خاں از گجرات انگشتری لعل بدخشی کہ نگین و نگین داں و حلقہ آں از یک پارچہ لعل تراشیدہ بودند بوزن یک مثقال و پانزدہ سرخ بغایت خوش رنگ و خوش آب برسم پیشکش فرستادہ بود، مقبول خاطر پسند افتاد الحق تاحال مثل ایں تحفہ بہ نظر در نیامدہ و لعل دیگر قطبی شش پہلو تراشیدہ بوزن دو مثقال و پانزدہ سرخ در غایت لطافت و خوبی قیمت ہر کدام بست ہزار روپیہ باشد،،

اسی سال شریف مکہ کا ایک محبت آمیز خط آیا جہانگیر نے ایک لاکھ کا ہندوستانی تحفہ بھیجا، (وقائع سال دوم)

جلوس کے چودھویں سال شاہ دلاور خاں کا ایک محبت نامہ آیا اور اسی وقت جہانگیر کو لعل کی ایک انگوٹھی ملی۔

جس پر شاہان مغلیہ کا نام کندہ تھا۔ جہانگیر نے اپنے درباری صناع کو حکم دیا کہ اس پر اس کا اور اکبر کا نام اور تاریخ حال کندہ کردے،

جلوس کے گیارہویں سال شاہجہاں نے نذر پیش کی، اس میں سترہ مثقال کے وزن کا ایک لعل تھا۔ جو "بندر گوہ" میں دو لاکھ روپے پر مول لیا گیا تھا، دوسرا الیمی تھا جو آب و رنگ اور شکل و صورت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، ایک ہیرا جس کی قیمت چالیس ہزار روپے تھی، اور دوسرے کی قیمت تیس ہزار (جو کتابت کی غلطی سے "سہ ہزار" لکھا گیا ہے) روپے تھی، دو مروارید جن میں ایک کا وزن دو مثقال پندرہ سرخ تھا۔ اور غایت درجہ نفیس نظر آتا تھا، اس کے علاوہ ہاتھی اور نقد جنس پیش کیا گیا۔ اس نذرانہ کی مجموعی قیمت بیس لاکھ روپے تھی،

اسی طرح ایک اور موقع پر شاہجہاں نے بڑی فراخدلی اور حوصلہ سے جہانگیر کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا جس کی تفصیل اقبالنامہ میں حسب ذیل ہے،

"روز مبارک شنبہ چہارم شہر ربیع الآخر سنہ ہزار و بست و ہشت ہجری تحویل حمل درین روز شاہزادہ گیتی ستان شاہجہاں جشن عالی ترتیب دادہ منتخب تحف روزگار از نفایس و نوادر دہر برسم پیشکش معروض داشتہ بساط اخلاص گردانید از ان جملہ یاقوتیست بست و دو سرخ در رنگ آب و اندام تمام عیار بیست و دو ہزار روپیہ دیگر شش دانہ مروارید غلطان کہ یکے از انہا یک تانک و ہشت سرخ وزن دارد و کلائے ایشان بہ بست و پنج ہزار روپیہ در احمد آباد ابیاع نمودہ اند، دانہ دیگر بہ سی و سہ ہزار روپیہ و یک قطعہ الماس کہ ہجدہ ہزار روپیہ بہا داشت .... و از نفائس آں برگزیدۂ دین و دولت کہ تا حال در عہد سلطنت ہیچ یک از بادشاہان نشدہ تختا ایست از طلا و نقرہ .... مجموعہ شصت و پنج ہزار روپیہ برآمد، دیگر تخت سواری فیل کہ بہ اصطلاح اہل ہند "ہودہ" گویند از طلا ساختہ بہ سی ہزار روپیہ مرتب گشتہ دیگر دو زنجیر فیل، و پنج زنجیر مادہ کہ قطب الملک بہ رسم پیشکش فرستادہ بود فیل اول "داد الہی" نام داشت با ساز طلا، فیل دوم با ساز نقرہ از پارچہ ہائے نفیس گجرات کہ زربافان بادشاہی ترتیب فرمودہ اند، اگر بہ تفصیل مرقوم گردد، بہ طول می کشد القصہ قیمت مجموعہ پنج لک روپیہ باشد، (اقبالنامہ وقائع سال سیزدہم)

سوانح و حوادث

اقبالنامہ کے اندر غیر مربوط طریقہ سے بعض مقامی حادثات و سوانح پر بھی دلچسپ بحث کی گئی ہے، چنانچہ ان میں ایک ملا علی احمد مہر کن کا واقعہ ہے، علامہ شبلی نے شعر العجم کے اندر خسرو کے بیان میں یہ واقعہ "تزک جہانگیری"

کے حوالہ سے لکھا ہے (جو جہانگیر کی خود نوشت سوانحعمری ہے) مصنف اقبال‌نامہ نے بھی تقریباً وہی باتیں لکھی ہیں جو تزک جہانگیری میں ہیں لیکن چونکہ تاریخی روایت کے اعتبار سے تزک جہانگیری اور اقبال‌نامہ دونوں کی روایتیں محل نظر ہیں اس لئے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ پہلے مصنف اقبال‌نامہ کی روایت نقل کر دوں، وہ لکھتا ہے،

"از غرائب اتفاق کہ در مجلس بہشت آئین بظہور آمدہ واقعہ فوت ملا علی احمد مہرکن است او در صنعت مہرکنی از یکتایان روزگار بودہ ...... پدرش ملا حسین نیز مہرکن بود، و نفیسی تخلص می کرد، ...... آں حضرت (جہانگیر) ملا علی احمد را خلیفہ می گفتند؛

اس کے بعد نفس سانحہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے،

در شرح ایں سانحہ غریب بر سبیل ایجاز و اختصار آنکہ شبے جمعے از قوالاں سرود می گفتند و ...... بہ رسم تغلبند سماع می کردو ایں بیت امیر خسرو می خواندند،

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے　　من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

میان خانہ ایں سرود بود حضرت بجانب ملا علی احمد توجہ فرمودہ پرسیدند کہ حقیقت ایں بیت چیست او پیش آمدہ معروض داشت کہ از پدر خود چنیں شنیدہ ام کہ روزے سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین کلاہے بر سر گوشہ کج نہادہ بر لب آب جون بر پشت بامے نشستہ تماشائے غسل ہنود و تندی آنہا می کردند، دریں وقت حضرت امیر خسرو حاضر شد شیخ بجانب امیر توجہ شدہ می فرمایند کہ طریق عبادت ایں جماعہ را می بینی و ایں مصرع را می خواندن ؎ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

امیر بے تامل روئے بجانب شیخ کردہ بر زبان جاری می سازند ؎

من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

ملا علی احمد مصرع ثانی را با تمام کردہ بیخودانہ افتاد و تمام شد، (اقبال‌نامہ وقائع سال پنجم)

حاشیہ صفحہ ۴۵ سلہ مجھے یاد آتا ہے کہ فرشتہ کے اندر یہ واقعہ میں نے تفصیل کے ساتھ پڑھا تھا لیکن جب ڈھونڈھنے لگا تو باوجود تلاش بھی پتہ نہ مل سکا، ہر چند فرشتہ کے اندر صرف اکبر کے عہد تک کے واقعات ملتے ہیں لیکن مورخ نے ضمناً عہد جہانگیری کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے، چنانچہ اس کی ایک نظیر شیخ سلیم چشتی کے سلسلہ میں خود اس مضمون میں ملے گی،

ع - م

علامہ شبلی نے بھی شعر العجم کے اندر تزک جہانگیری کے حوالہ سے یہی واقعہ لکھا ہے، البتہ انہوں نے اس سلسلہ کے بعض واقعات حذف کر دئے ہیں، مثلاً یہ کہ جہانگیر نے اس کی شان نزول بروایت اقبال نامہ خود ملا علی احمد سے دریافت کی، علامہ شبلی کہتے ہیں :-

"جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے، کہ میری مجلس میں قوال یہ شعر گا رہے تھے، میں نے اس کی شان نزول پوچھی ملا علی احمد مہر کن نے اس کا واقعہ بیان کیا، مصراع آخر کے ختم ہوتے ہوتے ملا کی حالت بدلنی شروع ہوئی، یہاں تک کہ غش کھا کر گرے دیکھا تو دم نہ تھا۔[1]

اقبال نامہ میں ملا علی احمد کے بعض واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ خواجہ نظام الدین دریائے جمنا کے کنارہ ایک کوٹھے پر بیٹھے تھے، جو شعر العجم میں نہیں، لیکن سب سے اہم بات جس پر اس ضمن میں مجھ سے بحث کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی شان نزول کے متعلق خود فرشتہ کے اندر ایک دوسری روایت پائی جاتی ہے[2]۔ چونکہ یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، یا خسرو کے سلسلہ میں درج ہونے کے بجائے، شیخ برہان الدین کے ذیل میں درج ہے، اس لئے علامہ شبلی اس پر کوئی تنقیدی روشنی نہیں ڈال سکے،

خواجہ نظام الدین اولیا کے مطبخ کے منتظم شیخ برہان الدین تھے، ایک دن باورچی خانہ میں گج پر بیٹھے ہوئے تھے، سردی معلوم ہوئی، تو کاندھے پر جو کپڑا تھا۔ اسے بچھا دیا کسی نے حضرت خواجہ کو خبر کی کہ برہان الدین باورچی خانہ میں نہالچہ بچھا کر بیٹھے ہیں، فرمایا کہ بے ادبی کی ابھی تک ان کے سر سے ہوس نہیں گئی، انھیں میرے پاس آنے نہ دیا جائے، شیخ برہان الدین کو جب خبر ملی تو پیر کی جدائی سے بیتاب ہو گئے، اور ہر چند دوستوں سے سفارش پہونچائی لیکن کوئی فائدہ نہ نکلا، آخر کار امیر خسرو کی خدمت میں التجا کی، انھیں چونکہ سلطان المشائخ کی خدمت میں قرب و عزت حاصل تھی، انہوں نے قبول کیا۔ اور اپنی پگڑی شیخ برہان الدین کے گلے میں ڈال کر اسی صورت سے حضرت خواجہ کی خدمت میں لائے، چنانچہ فرشتہ میں ہے،

"آنانکہ دید کہ آنحضرت کلاہ کج بر سر گذاشتہ وضوی سازند بدیہہ ایں بیت بخواند

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے ∗ من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

آں حضرت نہایت خوش وقت شدہ برخاست و ہر دو را در کنار گرفت"

فرشتہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ملا علی احمد نے۔ اس شعر کی جو شان نزول بیان کی تھی۔ وہ محض سنی سنائی بات تھی، جسے اقبال نامہ کے مصنف اور خود جہانگیر نے اپنے روزنامچہ میں درج کر دیا اور یوں بھی فرشتہ کی روایت ثقہ اور اقبال نامہ اور تزک جہانگیری" کی روایتیں جو ایک ہی راوی سے سنکر لکھی گئی ہیں، مستبعد معلوم ہوتی ہیں کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا مقبرہ نہ تو برلب دریا واقع ہے، جہاں آپ کھڑے ہو کر ہندؤں کے اشنان وغیرہ میں محو نظارہ ہو جاتے۔ جیسا کہ شعر العجم میں ہے، اور نہ

---

[1] شعر العجم تذکرہ امیر خسرو، [2] تاریخ فرشتہ مقالہ دوازدہم تذکرہ شیخ برہان الدین ۱۲

آپ کا کوئی بالاخانہ دریائے جمنا کے کنارہ تھا جہاں سے اشنان کرنے والوں کی مادہ پرستی اور عریانیت کا تماشہ دیکھتے، جیسا کہ مصنف اقبالنامہ نے لکھا ہے، ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نہ تو ایسے بالاخانہ پر جا سکتے تھے جو دریائے جمنا کے کنارہ ہے جب خود مبارک شاہ خلجی برابر آپ کو اپنے دربار میں بُلاتا رہا۔ اور آپ تشریف نہیں لے گئے تو دوسرے امراء و اہل ثروت کی دعوتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟ خانقاہ چھوڑ کر شیخ نظام الدین جیسے اہل اللہ دریائے جمنا کے کنارے بالاخانے پر چڑھ کر ہندوؤں کے غسل جیسے عریاں رسم کا تماشہ کیوں دیکھنے لگے؟ تاریخی روایت و درایت دونوں اعتبار سے اقبالنامہ کا بیان اور تزک جہانگیری کی روایت جسے علامہ شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے، مستبعد معلوم ہوتی ہے

ماہرین علم الاقوام جانتے ہیں کہ نسل انسانی، سیاسیات سے کس حد تک اثر پذیر ہوئی ہے، افلاس نے نسلی امتیاز کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اور ثروت و سرمایہ نے نیچے طبقات کے نسبی حالات میں جو کچھ تغیرات پیدا کئے ہیں۔ وہ تاریخ کے کھلے ہوئے واقعات ہیں، صفویہ کو خاندان نبوت سے جو تعلق ہے محتاج بیان نہیں لیکن مغلیہ کا ستارہ اوج پر آتا ہے، تو خاندان صفوی کی ایک سیدانی مغلیہ خاندان میں بیاہی جاتی ہے، چنانچہ راقم اقبالنامہ لکھتا ہے،

"دریں تاریخ جشن طوی شہزادہ بلند اقبال سلطان خورم با صبیہ مظفر حسین مرزا ابن سلطان علی مرزا صفوی آراستگی یافت"

کتاب کے اندر اسی واقعہ کے متعلق ایک جگہ اور مرقوم ہے کہ خاندان صفوی کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے کے لئے جہانگیر نے دولت ایران میں پیام بھیجا تھا جو قبول کیا گیا[1]۔ اسی طرح ضمناً ایک جگہ اور نقشبندیہ خاندان سے ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا واقعہ اقبالنامہ میں مذکور ہے،

"دراں حین خبر فوت سلمیٰ سلطان بیگم رسید و خاطر حق شناس از سنوح ایں واقعہ ملول و محزون گشت والدہ ایشان گلرخ بیگم صبیہ قدسیہ حضرت فردوس مکانی (ہمایوں) است انار اللہ برہانہ و پدر ایشان مرزا نور الدین محمد از خواجہ زادہ ہائے نقشبند است بیگم بہ جمیع خوبیہا کہ پیرایہ عصمت رسد آراستگی داشتند"

سلمیٰ سلطان نے طبیعت موزوں پائی تھی، کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتی تھیں، تخلص مخفی تھا۔ ان کا ایک مطلع ہے: ؎

مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام　　کاکلت را من زمستی رشتۂ جاں گفتہ ام

---

۱ چونکہ ایک بہت ہی اہم مضمون کے لئے میں اس موضوع کا انتخاب کر چکا ہوں (جو زیر ترتیب ہے) اس لئے اس واقعہ پر سیاسی نقطۂ خیال سے کوئی حاشیہ آرائی کرنا نہیں چاہتا، ناظرین مغلوں کی اس سیاسی حکمت عملی پر خود ہی ایک نظر ڈال لیں جو انہوں نے فارس کے صفوی خاندان اور ہندوستان کے راجپوت گھرانوں سے علاقہ نسلی قائم کر کے انجام دی ہے،

جلوس کے گیارھویں سال تمام ہندوستان میں طاعون کی بلا نازل ہوئی، اس کی ابتدا پنجاب سے ہوئی اور رفتہ رفتہ دیہات اور بستیوں میں اس کا اثر پہونچا لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر صحرا میں بھاگنے لگے، لاہور کے اندر اکثر گھروں میں دس دس اور بیس بیس آدمی مرے لوگ گھروں کو مُردوں سے بھرا ہوا مقفل چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ ایک شخص مرا اسے ایک فقیر نے گھانس پر غسل دیا دوسرے دن فقیر مرا اسے بھی گھانس پر غسل دیا گیا، گھانس کا کچھ حصہ ایک گائے نے کھایا، وہ مر گئی گائے کا گوشت کتوں نے کھایا وہ بھی دم توڑنے لگے،

"دریچ ملک ہندوستان اذیں بلیہ جاے نماند بست سال ممتد در ممالک وسیع ہندوستان سائر ودائر بود،

جلوس کے پندرھویں سال پرگنہ جندر کے ایک موضع میں صبح کے وقت بہت ہیبت ناک شور و غوغا اٹھا، اس شور و شغب کے درمیان بجلی کی طرح ایک روشن چیز زمین پر گری اور غائب ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد اس آشوب میں کمی ہوئی اور قلوب میں تسکین پیدا ہوئی، اس پرگنہ کے حاکم محمد سعید کو خبر ملی وہ سوار ہو کر موقعہ واردات پر پہونچا دیکھا کہ دس بارہ گز تک زمین میں سبزی کا نام و نشان بھی باقی نہیں، اس نے حکم دیا کہ اس جگہ کو کھودا جائے، جتنا لوگوں نے کھودنا شروع کیا، گرمی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک گرم لوہا ظاہر ہوا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے ابھی آگ کی بھٹی سے نکالا گیا ہے، ہوا لگی تو سرد ہو گیا، حاکم نے اسے ایک تھیلی میں رکھ کر جہانگیر کی خدمت میں بھیجا جہانگیر نے ایک ماہر صناع کو بلا کر اسے حوالہ کیا اس نے تین حصہ یہ اور ایک حصہ دوسرے اجزا ملا کر اس سے دو تلواریں ایک خنجر اور ایک چاقو بنایا اور خدمت شاہی میں پیش کیا،

بادشاہ کا ایک دانہ مروارید جس کی قیمت چودہ پندرہ ہزار روپے ہوتی تھی، گم ہو گیا "جوتک رائے"، ایک منجم نے پیشینگوئی کی کہ دو تین دن میں مل جائے گا، صادق خاں نے زیچ پر زور دیکر بتایا دو تین دن میں ایسے مقام سے وہ موتی برآمد ہو گا جو پاکیزگی اور نزاکت سے متصف ہے، جیسے عبادت خانہ یا نماز و تسبیح پڑھنے کی جگہ سے، ایک عورت نے پیشینگوئی کی کہ دو تین دن میں ایک گوری عورت ہنستی ہوئی دست مبارک میں دے گئی، اتفاقاً ایک ترک لونڈی کو یہ موتی عبادتخانہ میں ملا، وہ خوشی میں مسکراتی ہوئی آئی اور جہانگیر کے ہاتھ میں دیا اس طور سے تینوں منجموں کے احکام صحیح نکلے،

عجائب و غرائب معتمد خاں نے بعض ان عجائب کا تذکرہ کیا ہے، جو یا تو خود اس کے عہد میں حادث ہوئے یا قدیم تھے لیکن اس نے انہیں دیکھا، ان میں ایک تو ان دو لڑکیوں کی پیدائش کا حال ہے، جو پیٹھ سے کمر تک باہم ملی ہوئی پیدا ہوئی تھیں،

دریں ولا از روزنامچہ وقائع کشمیر بہ عرض رسید کہ در خانہ ابریشم فروشے دو دختر دندان دار بہ وجود آمد کہ پشت ہر دو تا کمر متصل بود اما سر دست و پاے ہر دو یک جدا زمانے زندہ ماندہ فوت شدند (اقبالنامہ وقائع سال یازدہم)

اجرام سماوی مصنف اقبالنامہ نے ایک ایسی ہیئت فلکیہ کا تذکرہ کیا ہے، جو نجوم اور ہیئت میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اور جس کے اثرات ارضی کے متعلق ہندوؤں کے معتبر کتب نجوم میں واقعات ملتے ہیں اور جسے اصطلاح میں "حربہ" کہتے ہیں،

"در شانزدہم دی ماہ پیش از طلوع صبح سہ گھڑی در گردن ہوا مادہ بخارے بہ شکل عمود نمودار شدہ و ہر شب یک گھڑی بیشتر از شب دیگر مرئی می گشت چوں تمام نمود صورت حربہ"

پیدا کرد بہشت بجانب جنوب و روے بہ صوب شمال منجماں واختر شناسان قد و قامت اورا بہ اسطرلاب معلوم کردند، کہ بست و چہار درجہ فلکی بہ اختلاف بہ نظر سائر است و بہ حرکت فلک اعظم متحرک و حرکت فلک اعظم در و ظاہر می شود، چنانچہ اول در برج عقرب مرئی می گشت، در اندک مدت برج عقرب را گزاشتہ بہ میزان رسید حرکت ارضی در جہ جنوب نیز دارد، و دانایان فن نجوم در کتب این قسم را "حربہ" ذ نختہ اند"

اس علامت کے ظاہر ہونے کے سولہ رات کے بعد اسی طرف ایک ستارہ نکلا جسمیں روشنی اور چمک نہ تھی، اس کا اثر ممالک ہند پر یہ ہوا، کہ سارا ملک وبا اور طاعون، فتنہ اور جدال میں مبتلا رہا ایسا طاعون آیا کہ ہندوستان کی کسی معتبر کتاب میں اسکی نظیر نہیں ملتی، بیس سال تک اس وبا کا زور رہا اسی طرح سات آٹھ سال تک جہانگیر اور شاہجہاں میں معرکہ آرائی رہی اور اس سلسلہ میں کیسی افسوسناک خونریزی تھی جو نہوئی اور کون سی خانقاہ تھی جو برباد نہ ہوئی۔

عجیب حوض اس سلسلہ (عجائب وغرائب) میں مصنف نے دو ایسے واقعات لکھے ہیں جن میں ایک نہ صرف ندرت صناعات اور عجوبیت کے لحاظ سے جالب توجہ ہے، بلکہ اس سے اس عہد کے اسلامی فن تعمیر اور کمال صنعت پر بھی روشنی پڑتی ہے،

جلوس کے تیسرے سال جہانگیر کو ایک صناع حکیم علی نامی کے عجیب و غریب حوض کا حال ملا، یہ حوض خود حکیم علی کے گھر میں تھا، اس کے ایک گوشہ میں پانی کے اندر حکیم نے ایک مکان بنایا تھا۔ جسمیں روشنی بھی تھی، اس میں بعض سامان اور چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں، اور ایک قطرہ پانی ٹپک کر نہیں جاتا تھا، جو کوئی اس کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا، حوض کے اندر اتر جاتا تھا، اس کے گوشہ سے چند سیڑھیاں نظر آتی تھیں دو تین زینہ نیچے جاکر خلوتخانہ کے اندر آتے تھے، اس کے اندر افسردہ طبیعتیں بشاش ہو جاتی تھیں۔ اس میں دس بارہ آدمیوں کی جگہ تھی، جو باہم گرم صحبت رہ سکتے تھے، معتمد خاں لکھتے ہیں

"حضرت شاہنشاہی بہ قصد تماشاے حوض مذکور بہ خانہ حکیم رفتہ بہ آب در آمدہ تفرج خانۂ مذکور کردند، و حکیم را بہ منصب دو ہزاری سرفراز ساختہ بہ دولت خانہ معاودت فرمودند"

خواجہ تابوت جہانگیر کو خبر ملی کہ ضحاک اور تامیاں میں جو کابل کی سرحد پر ایک پہاڑ واقع ہے، اور اس پہاڑ میں خواجہ تابوت نامی ایک بزرگ کا مدفن ہے، لوگوں کا بیان تھا کہ چھ یا سات سو برس گزر گئے کہ خواجہ تابوت نے وفات پائی، معتقدین وہاں جاتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔ ان کے جسم پر ایک زخم ہے کہ جب روئی ہٹائی جاتی ہے، تو وہاں سے خون ٹپکنے لگتا ہے اور جب روئی

زخم پر رکھدی جاتی ہے، تو خون بند ہو جاتا ہے، جہانگیر نے اس خبر کی تحقیق و تفتیش کے مصنف اقبالنامہ کو بھیجا معتمد خاں خود لکھتا ہی،

"بہ راقم اقبالنامہ حکم اشرف شد کہ بدانجا رفتہ بہ تعمق نظر ملاحظہ نماید و در تفحص و تجس تاکید بہ کار بردہ حقیقت را آمدہ بہ عرض ہمایوں رساند، و بہ جہت دیدن زخم جراحے نیز ہمراہ کردند، کمتر بن شش منزل طے مسافت نمودہ بہ مقصد پیوست و شب در موضعے تانیاں کہ جمعے از سادات سبزوار در آنجا توطن گزیدہ اند، گزرانیدہ روز دیگر بہ دیدن خواجہ تابوت رفت در دامن آں کوہ ایوانے نمودار شد مقدار دو درعہ و ہم از زمین بلند تریکے را بر فراز آں بر آورد و تمام اگرفتہ بالا کشود، و خود بہ زیر آمدم در عقب ایوان خانہ مربع چہار درعہ صحن و سقف و دیوار ہا گچ کردہ "

اس گھر میں ایک قبر کھدی ہوئی تھی، اور ایک دروازہ اسمیں لگا ہوا تھا جب دروازہ کھولا گیا تو ایک تابوت نظر آیا، جب تابوت سے تختہ ہٹایا گیا، تو میت نظر آئی، بزرگ کو آئین اسلام کے مطابق قبلہ رُو لٹایا تھا، بایاں ہاتھ ستر عورت کے لئے دراز ہوا، اور آدھ گز ٹاٹ بھی ستر کے اوپر رکھا ہوا، تمام بدن درست تھا تھوڑے سے بال سر کے ایک طرف نمایاں تھے، اوپر کے دو دانت اور نیچے کے دو دانت لب کے درمیاں نمایاں تھے، ہاتھ اور پاؤں کے ناخن درست تھے، جستجو کے بعد ایک بڈھے کو ایک دیہات سے لائے، اور اس سے حالت دریافت کی گئی، کہنے لگا کہ باپ دادا سے سُنا ہے کہ خواجہ تابوت نے چنگیز خاں اور سلطان جلال الدین کی جنگ میں شہادت پائی تھی،

فلسفۂ مذہب { اُردو زبان میں بالکل پہلی کتاب جو ایک شخص کو مذہب کی حقیقی اہمیت اور اسلام کے سچے مفہوم سے آگاہ کرتی ہے۔ اِن مضامین کے سلسلے نے ملک میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا تھا۔ اِس کتاب کے صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں۔ قیمت معہ محصول عہ ر

تذکرۂ خندۂ گل { چار روپیہ کی کتاب معہ محصول دو روپیہ میں۔

منیجر نگار

ہندوستان کی ایک شاعرِ دیوی

رانی میرابائی

حالات زندگی "رانی میرابائی" جودھ پور کے راٹھور خاندان کے راجہ "رتن سین" بن "جودھاجی" کی اکلوتی بیٹی تھیں اور اودے پور کے سسودیا خاندان میں مہارانا "سانگاجی" کے فرزند ولیعہد راجہ "بھوج راج" کو بیاہی ہوئی تھیں۔

یہ "کنڈکی" نامی گاؤں میں تقریباً ۱۵۰۴ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کی کمسنی ہی میں ان کی محترم ماں کا سایۂ عاطفت انکے سر سے اٹھ گیا۔ جب اس کی اطلاع ان کے سسرال والوں کو ہوئی تو انھوں نے رانی میرابائی کو پرورش کی غرض اور آرام کے خیال سے اپنے پاس بلوالیا۔ اور اُن کے خسر رانا "سانگاجی" نے نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی پرورش کی۔ جب یہ سن بلوغ کو پہنچیں تو راجہ "رتن سین" نے اپنی خواہش سے ۱۵۱۶ء میں ان کی شادی رانا سانگاجی کے بڑے لڑکے راجہ "بھوج راج" (ولیعہد سلطنت) کے ساتھ کردی اور یہ اُسی سال اپنے شوہر کے ساتھ چتوڑ چلی گئیں۔

راجہ "رتن سین" نے اپنے خیال کے بموجب اس مبارک اور خوشگوار تعلق سے ایک ایسی مفید اور کارآمد بات سوچی تھی۔ جس سے بڑھ کر اُن کے لئے اور کیا ہوسکتا تھا۔ یعنی میواڑ کی حکومت (جو اس زمانے میں ایک وسیع اور باثر سلطنت سمجھی جاتی تھی) کے دلیر فرمانروا رانا "سانگاجی" کے بعد اُن کے بڑے لڑکے راجہ "بھوج کی رانی" کہلانا (جس کی اس زمانے میں بہت قدر تھی) لیکن بسا اوقات انسانی تدابیر کے نتائج خلاف توقع واقع ہوا کرتے ہیں۔ اس قانون کے ماتحت یہاں بھی ناکامی ہوئی۔ کیونکہ رانی میرابائی کی قسمت میں تو کچھ اور ہی لکھا تھا۔ یعنی بیوہ ہوکر حکومت سے محرومی۔ اور ناشاد قسمت کے ہاتھوں ساری عمر اضطراب و بیتابی۔!

کمسن رانی کی نگاہ میں شادی اور اس کی دلچسپیاں طفلانہ انبساط سے زیادہ وقیع نہ ثابت ہوسکیں کیونکہ رانی کے شوہر راجہ بھوج راج نے شادی کے کچھ ہی دنوں بعد عزیز رانی اور شفیق باپ دونوں کو داغ مفارقت دیا۔

اس موقعہ پر چاہئے تھا کہ راجہ "بھوج راج" کی تاریخ فوت اور وجہ موت نیز کسی قدر تفصیلی حالات لکھے جاتے

لیکن کیا کیا جائے جبکہ راجہ بھوج راج کی صحیح تاریخ فوت، میواڑ کے محکمۂ تاریخ سے بھی ہم کو نہ مل سکی۔

ہم کو نہایت تعجب ہے کہ میواڑ کا محکمۂ تاریخ کسقدر ناکمل ہے کہ جس میں ایک ایسے زبردست راجہ کے ولیعہد سلطنت کی تاریخ فوت کا پتہ نہیں چلتا۔ گو اس بارے میں ہم نے بہت کوشش کی لیکن ہم نہایت افسوس کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ ہم اپنی سعی میں ناکام رہے۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۱۳ء اور ۱۵۲۳ء کے درمیان یہ امر ناگوار واقع ہوا۔

بہرکیف رنج و غم کی دیوی رانی میرابائی نے سکون و تحمل کے ساتھ اس ناگہانی مصیبت کا خیر مقدم کیا اور دنیاوی عیش و آرام کو یک لخت ترک کر کے اپنے مالک کی دی ہوئی نعمت غم کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کرتے ہوئے کچھ زیادہ اظہار پریشانی و الم نہ کیا۔!

دنیا کی نیرنگی اور زمانہ کے انقلاب نے ناگہانی جواں مرگی کی صورت میں ظاہر ہو کر رانی کے دل کو عالم کی گوناگوں کیفیات اور رنگین احساسات سے بے نیاز اور ان کے جذبۂ شوق کو پژمردہ کر دیا۔ رانی کی نگاہ میں دنیا اور اسکی رنگینیاں افسردگی اور پژمردگی کا پیش خیمہ تھیں۔ مسرتیں اور دلچسپیاں اضطراب و بیتابی کی تمہید! آہستہ آہستہ یہ نیک سیرت اور پاک سرشت بائی انتہائے ضبط غم کی وجہ سے کچھ ایسے لطیف اور پاک جذبات کی حامل ہو گئی جسکا آغاز مسرت و الم کے احساس کو انقلاب اور انجام دونوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ رانی کی روحانی فضا اور اس کے ذاتی ماحول کا تعلق اس جگہ سے ہو گیا جہاں دنیا اور اسکی تمام دلفریبیاں۔ آلام اور رنج کے ہیبت ناک نظارے سراب کی نمود سے بھی پست نظر آتے ہیں۔ دنیاوی دلچسپیوں سے بے پروا ہو کر اس لطیف روح نے اپنا تعلق ایسی ذات سے قائم کر لیا جسکو ہندو خدا کا اوتار سری کرشن جی بھگوان کہتے ہیں۔

میرابائی کو بچپن ہی سے گردھر لال جی کا عشق تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ ایک مرتبہ میرابائی اپنے ہمسن سکھیوں۔ سہیلیوں کے ساتھ بھولے پن سے کھیل میں مشغول تھیں اور گردھر لال جی کی مورت اُن کے ہاتھ میں تھی اسوقت کھیل کے سوا اُس مجسمہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اسی اثناء میں انکی سہیلیوں نے انکی ماں سے سوال کیا۔ اکہ اے اماں میرابائی کی شادی کہاں ہوگی؟" ان کی ماں نے جواب دیا کہ" ان کی شادی اسی مجسمہ کے ساتھ کی جائیگی" مذاق اور بے پروائی کے ساتھ منہ سے نکلی ہوئی بات رانی میرابائی کے جی کو لگ گئی۔ اور یہ اتفاقی اور معمولی بات رانی کے لئے بخصوصیت کے ساتھ دلچسپی کا سبب بن گئی۔

اسی حکایت کی بنا پر بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ میرابائی نے تمام عمر اپنی شادی نہ کی لیکن غالباً یہ خیال صحیح نہیں ہے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ بہرکیف یہ اکثر ہمہ تن سری کرشن جی کے پاک تصور میں محو رہا کرتی تھیں اور ہمیشہ ان کی مورت سے کھیل کھیل اپنا جی بہلایا کرتی تھیں۔ لیکن انکی عمر کا وہ حصہ، جبکہ یہ دنیا اور اس کی نیرنگیوں کا شکار ہو کر اسکی دلفریبیوں سے کسی قدر برداشتہ خاطر ہو چکی تھیں، اس حیثیت سے زیادہ قابل توجہ ہے۔

ع۔ گردھر لال جی، سری کرشن جی کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو بروایت اہل ہنود گوردھن پہاڑ کے اُٹھانے کی وجہ سے پڑا۔ یہی بات مورت میں دکھائی گئی ہے کہ بائیں ہاتھ پر اٹھائے بانکی ادا کے ساتھ کھڑے ہیں اور داہنے ہاتھ میں بانسری لئے منہ سے لگائے ہیں۔

بھیانک اور غم خیز زندگی میں رانی کے لئے کرشن جی کا مجسمہ حقیقی سکون وراحت کی تصویر تھا جس کی مفارقت کا تحمل رانی جیسی صابر وشاکر ہستی کے حوصلہ سے بالاتر تھا۔ وہ ہر وقت اس مجسمہ کو اپنے ساتھ رکھتیں۔ تنہائی میں اس سے اس طرح باتیں کرتیں گویا کوئی زندہ تصویر سے مخاطب ہے۔ اُن کی اِس زندگی میں اپنی قسم کی رنگینی پیدا کرنے والا دنیا میں اگر کوئی تھا تو وہ گردھر لال جی کا مجسمہ تھا اور بس!

طفلی کے رنگین اور دلچسپ دنوں کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ کہ ایک دفعہ جب وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر سُسرال جانے کو تیار تھیں۔ مجسمہ سے ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کو اپنے گھر پر چھوڑ دینا اور اس کی مفارقت کی تکلیف دہ گھڑیاں گذارنا اپنے لئے دشوار خیال کرتی تھیں۔ لہذا اُن کو اس وقت تک جانے کا لطف نہ مل سکا جب تک کہ وہ اس مجسمہ کو اپنے ہمراہ لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکیں!

جب یہ دنیاوی زندگی میں اپنے شریک زندگی کو کھو چکیں اور ایام بیوگی کے غمناک اوقات بسر کرنے لگیں تو ان کا روز و شب کا مشغلہ صرف یہ تھا کہ وہ اس مجسمہ کی پوجا کریں اور زندگی کے کسی لمحہ میں اس پاک مجسمہ کی پرستش سے غافل نہ ہوں، دل وجان سے زیادہ عزیز رکھنے کے علاوہ کسی وقت اس کو خود سے یا خود کو اس مجسمہ سے علیحدہ نہ ہونے دیتیں ہمیشہ ہرن کی کھال بچھا کر زمین پر آرام کرتیں اور سادگی کے ساتھ مختصر زندگی بسر کرتیں۔

میرا بائی کے لئے ان کا بیوہ ہونا اور دنیا کی نعمت یعنی ان کے شوہر کا داغ مفارقت دینا گویا مصائب و آلام کے دروازوں کا کھل جانا ہوا اور انکی بیوگی کے ساتھ ہی اُن کے خاندان اور رہی سہی شاہانہ شان وشوکت کی بربادی کا پیام آگیا جسکا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے

اولاً تو "مہارانا سانگا جی" نے ۱۵۲۳ء میں "بابر بادشاہ" کے مقابلے میں "پانی پت" کے مقام پر شکست کھائی اور اس جنگ عظیم میں رانی کے باپ راجہ "رتن سین" اور کاکا (چچا) راجہ "رائے مل جی" کام آئے جو "رانا سانگا" کی مدد کے لئے جودھ پور کے "راؤ گنگا جی" کی طرف سے گئے تھے۔ دوسرے سال رانا سانگا جب پھر فوج لیکر لڑنے جاتے تھے تو مقام "ایرچ" ضلع بندیلکھنڈ عملداری بابر بادشاہ میں بیمار ہو کر مر گئے

اس طرح رانی میرا بائی چند ہی سال میں نہ صرف اپنی محترم ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوئیں بلکہ شریک زندگی (ولیعہد سلطنت) راجہ "بھوج راج" اور باپ راجہ "رتن سین" اور چچا "راجہ رائے مل جی" اور خسر "رانا سانگا جی" جیسی مایۂ ناز ہستیوں کی شفقت وعنایت سے محروم ہو گئیں

اگر فلک کی گردش اور زمانہ کے ہاتھوں ستائی ہوئی رانی کے مصائب سرپرستوں اور عزیزوں کی اموات ہی تک محدود رہتے۔ اور مستقبل قریب میں کسی قدر سہولت وسکون میسر آسکتا تو بھی کسی نہ کسی طرح اس کے غمگین دل کو صبر وقرار آجاتا۔ لیکن قدرت کی مصلحت تو یہ تھی کہ "صنف نازک کا یہ شاہی فرد" کبھی دنیا کی اس کیفیت کا حامل نہ ہو سکے۔ جس کو

اہل عالم مسرت و انبساط سے تعبیر کرتے ہیں۔ مصیبت زدہ رانی کے زخم دل ابھی ہرے تھے کہ دنیا کی نیرنگی نے ایک اور چرکہ دیا اور غم خیز بھولے ہوئے فسانہ کو پھر نئے سرے سے پیش کیا یعنی رانی کے شوہر راجہ "بھوج راج" کے تین بھائی اور تھے۔ "رتن سین"، "وکرم جی"، "اودے سنگھ"، ان تینوں بھائیوں میں سے دو بھائیوں نے حکمراں زندگی بسر کی

پہلا "رتن سین" ہے جو چتوڑ کا مالک ہوا اور سنہ ۱۵۲۰ء میں تخت حکومت پر متمکن ہوا اور دوسرا "وکرماجیت" ہے جو قلعہ "رنتھنبور" کا مالک ہوا۔ ان دو راجکماروں کے تخت حکومت پر قابض ہونے اور تیسرے کے محروم رہنے میں کیا کیا آفتیں پیش آئیں اور کیسے کیسے جھگڑے در پیش ہوئے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں

جس زمانہ میں رانا سانگا جی کی حکومت کے حصے ہو رہے تھے اسی پُر آشوب زمانے میں راجہ "رتن سین" اور بوندی کے راجہ "سورج مل" سے جو "وکرماجیت" اور "اودے سنگھ" کے ماموں تھے بگاڑ ہو گیا۔ اور بالآخر اس اختلاف نے بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رانا "رتن سین" نے شکار کے بہانہ بوندی کے راجہ پر حملہ کر دیا۔ اور راج بوندی کے سرحد پر سنہ ۱۵۳۱ء میں ہنگامۂ کارزار گرم ہوا۔ راجہ "رتن سین" کے فوجی افسروں نے راجہ کو عین وقت پر دھوکا دیا جسکی وجہ سے راجہ کو لڑائی میں پوری ناکامی ہوئی اور بہادر راجہ لڑتے ہوئے میدان جنگ میں کام آیا اور اس طرح رانی "میرا بائی" اپنے شوہر کے حقیقی بھائی راجہ "رتن سین" کے لطف و مدارات سے بھی محروم ہو کر رہ گئی !!

غدار سرداروں نے راجہ جی کو دغا فریب دے کر اپنا راستہ لیا اور سیدھے "رنتھنبور" گئے وہاں سے "وکرماجیت جی" کو لا کر "چتوڑ" کے تخت حکومت پر بٹھا دیا

اس طرح رانی کا تعلق زندگی رانا "وکرماجیت" سے وابستہ ہو گیا۔ راجہ "وکرماجیت" نے "رانی میرا بائی" کو بہت تکلیف دی اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رانی کی ریاضت۔ عبادت نفس کشی۔ فقیرانہ زندگی (جس کی رانی خوگر ہو چکی تھی) راجہ کو قطعی ناپسند تھی۔ رانی (جو ایک نیک ذات اور صوفی منش ہستی تھی) کے اخلاق و اطوار کی شہرت سن سن کر اکثر بڑے بڑے سادھو اور مہاتما لوگ ان کے پاس آتے تھے اور یہ بات راجہ "وکرماجیت" کو قطعی ناپسند تھی وہ بدنامی کے خیال سے ڈرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی آمد و رفت روکنے کے لئے "میرا بائی" پر بہت سختی کرتے تھے یا ممکن ہے کہ رانی کی ایذا رسانی میں جس کو راجہ ہر طرح جائز رکھتے تھے ان کی کوئی سیاسی غرض پوشیدہ رہی ہو اور ان کا دلی مقصد اس بظاہر معقول صورت میں پورا ہوتا رہا ہو۔ بہرکیف اگر رانا کو رانی کا وجود اور انکا شاہی محل میں قیام (خواہ کسی وجہ کی بنا پر کیوں نہو) ناگوار تھا تو رانی کو بھی رانا کا یہ فعل دل و جان سے ناپسند اور سخت تکلیف دہ جسکا اظہار خود رانی نے کئی بھجنوں میں کیا ہے

بالآخر جب رانا کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی اور وہ رانی کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچا کر بھی اس کی جانب سے مطمئن نہ ہو سکا اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ رانی میرا کہنا نہ مانے گی تو سادھوؤں اور مہاتماؤں کی آمد و رفت (جو رانا کی بدنامی کا سبب یا رانی کی طاقت زیادہ ہو جانے کی ذریعہ تھی) بند کرنے کی ایک نئی ترکیب سوچی اور اپنے ایک مصاحب کی صلاح سے جو

"بیجادرگ" ذات کا مہاجن تھا میرابائی کی ہلاکت کی تجویز کی۔ پہلے پھولوں کی ٹوکریوں میں سانپ چھپا چھپا کر بھیجے۔ لیکن جب اس طرح کامیابی نہ ہوسکی تو ایک پیالہ "زہر ہلاہل" کا تیار کرکے اسی مہاجن کو دیا اور کہا کہ جاؤ اور بھاورج صاحبہ کو کسی معقول بہانے سے پلا آؤ۔ کمبخت مہاجن نے رانی کی ڈیوڑھی پر جاکر کہلا بھیجا کہ تبرکا عقیدتمندی کا جام راجہ صاحب نے آپ کی خدمت مبارک میں بطور ہدیہ کے پیش کیا ہے۔ اذیت و تکلیف دینے والے "دیوَر" کی طرف سے یہ عنایت و مہربانی دیکھ کر بھی بھولی بھالی رانی مکروفریب کو نہ محسوس کرسکی اور مسرور ہوکر اس کے ہاتھ سے وہ جام زہر لے لیا اور خوشی خوشی پی گئیں۔ بالآخر اس نیک سیرت رانی نے اس طرح اپنے غم والم کا خاتمہ کردیا

لیکن بعض خوش اعتقاد تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ مقدس رانی پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوسکا لیکن ہر وقت کی بیجا زیادتیوں[1] کی وجہ سے تنگ آگر وہ میرٹھ کے راجہ راؤ بیرم جی کے یہاں جو اُن کے اپنے کاکا (چچا) تھے چلی گئیں

رانی نے بقیہ ایام زندگی میرٹھ ہی میں بسر کئے۔ راجہ "ویرم جی" اور ان کے کنور "جیمل جی" ان کی بہت خاطر کرتے تھے وہ جس محل میں رات کو گردھر لال جی کے مجسمے کے سامنے گایا بجایا کرتی تھیں اور کبھی کبھی وفور جوش و محبت میں ناچا بھی کرتی تھیں وہ اب تک موجود ہے اور "چتو بھج جی" کے مندر میں شامل ہے اور گردھر لال جی کی وہ مورت بھی اسی مندر میں ابتک موجود ہے۔ اور حفاظت سے ہے

رانی کی ساری زندگی کا یہ حصہ کسیقدر غنیمت گذرا ہے۔ کچھ دنوں تو ان کو میرٹھ میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی لیکن آخرکار سادھوؤں اور جوگیوں کی آمدورفت کی دیکھ بھال ہونے لگی اور وہ بالکل اسی حالت کو پہونچ گئی جو چتوڑ میں تھی۔ اور یہ امر رانی کے لئے ایک بڑی مصیبت تھا جسکو وہ بالکل نہیں پسند کرتی تھیں ۱۵۳۸ء سے لیکر ۱۵۶۱ء تک کا زمانہ میرٹھ کے لئے مصائب والآلام کا زمانہ کہا جاسکتا ہے اور یہی وہ وقت تھا کہ جب میرابائی چتوڑ چھوڑ کر میرٹھ آئی تھیں۔ نہیں معلوم کہ جیمل جی کے میرٹھ چھوڑنے پر میرابائی پر کیا گزری اور وہ کہاں رہیں نیز ان کے ایام حیات کس فضا میں اور کیسے گذرے!

"بھگت مال" کے مصنف "نابھ جی" میرابائی کے ہمعصر تھے اگر وہ صحیح صحیح حال لکھنا چاہتے تو ضرور لکھ سکتے تھے۔ اور یقیناً وہ قابل اعتبار ہوتا اور اس سے ضرور رانی کے بود و باش اور ریاضت و عبادت نیز دیگر خارجی و داخلی امور کی (جو رانی سے متعلق ہوسکتے تھے) پوری تشریح و توضیح سمجھ میں آتی لیکن نامعلوم اسباب کی بنا پر ایسا نہ ہوسکا۔ میرابائی کا انجام تاریخی حیثیت سے تو کچھ معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اُن کی زندگی کے تمام پہلو اچھی طرح واضح ہوتے ہیں۔ لیکن بھگتوں اور سادھوؤں کی زبانی جو معلوم ہوسکا ہے وہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے

---

[1] گذشتہ سال الہ آباد میں ماگھ میلے کے اجتماع کے موقع پر ایک بہت مقدس اور پاک ذات فقیر صاحب کی ملاقات نے بھی اس روایت کی تاکید کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جلیل

کہا جاتا ہے کہ وہ "دوارکا جی" میں زیارت کے لئے تشریف لے گئی تھیں وہاں ایک روز برہمنوں کی پکٹنگ (دھرنا) پر جو رانا جی نے ان کو واپس لانے کی غرض سے قائم کی تھی یہ پد (شعر) گایا۔

मीरा के प्रभु गिरधर नागर मिलबिछुड़न कीजे ॥

اور رن چھوڑ جی کے مجسمہ میں سما گئیں۔ اس سے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان کی موت دوارکا میں واقع ہوئی بعض تذکرہ نویسوں نے ان کی تاریخ فوت سنہ ۱۵۴۲ء لکھی ہے۔

"کرنل ٹاڈ صاحب" نے اپنی تاریخ "ٹاڈ راجستان" میں رانی میرا بائی کو رانا کنبھا کی رانی لکھا ہے اور اسی خیال کے ماتحت "بابو کارتک پرشاد" نے بھی سوانح عمری میں میرا بائی کو رانا کنبھا کی بیوی لکھا ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ رانا کنبھا راجہ بھوج راج کے پردادا تھے اور میرا بائی کی پیدائش تقریباً سنہ ۱۵۰۰ء میں ہوئی تھی

رانا کنبھا میرا بائی کی پیدائش سے تقریباً پچیس باتیس سال قبل فوت ہوئے تھے۔ لہٰذا دونوں (رانا کنبھا اور رانی میرا بائی) کے ہمعصر ہونے میں کافی تامل ہے اور یہ یقین کرنا چنداں دشوار نہیں ہے کہ رانی میرا بائی رانا کنبھا کی بیوی نہیں ہے

"مارگیرٹ میکنیکل" مصنف "ویمن پوئٹس آف انڈیا" (Women poets of India) نے اپنی کتاب "ہندوستان کی عورتوں کی شاعری" میں لکھا ہے کہ

"مہا رانا کنبھا کے دو لڑکے تھے اور اُس کے دوسرے لڑکے اودیکرن نے راجہ کو زہر دیکر خود تخت پر قبضہ کر لیا اور اودیکرن نے میرا بائی کو بہت تکلیف دی جس کی وجہ سے اس کو (رانی کو) چتوڑ چھوڑ دینا پڑا۔"[2]

مندرجۂ بالا خیال کے بموجب کرنل ٹاڈ صاحب کی تقریر کی تائید ہوتی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے میرا بائی رانا کنبھا کی بیوی ہو اور رانا کو زہر دینے کے بعد راجہ "اودیکرن بن راجہ کنبھا" نے اپنی ماں کو تکلیف دی ہو یہاں یہ نتیجہ نکالنا غالباً غلط نہ ہوگا۔ کہ شاید اودیکرن، رانی کا حقیقی بیٹا نہ ہو بلکہ سوتیلا بیٹا ہوگا۔ ورنہ تکلیف کیوں دیتا۔ لیکن کرنل ٹاڈ کا خیال جسکی تردید اوپر کیجا چکی کمزور اور بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح مارگیرٹ میکنیکل نے جو بات لکھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تحقیق نہیں کی اور بہت ممکن ہے کہ کرنل صاحب کی کتاب "ٹاڈ راجستان" سے اخذ کیا ہو یا کرنل صاحب نے خود اخذ کیا ہو

کیونکہ رانا کنبھا کا راجہ بھوج راج کا پردادا ہونا اور رانا سانگا و رتن سین کا ہمعصر ہونا تاریخی حیثیت سے مستند ہے۔ پھر رانی کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۵۰۰ء کے قریب ہی۔ راجہ بھوج راج کی تاریخ فوت۔ رانا رتن سین کا جنگ میں کام آنا۔ رانی میرا بائی کا رتن سین کی بیٹی ہونا یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے یہی اور صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ رانی میرا بائی راجہ کنبھا کی بیوی نہیں ہے اور کرنل ٹاڈ و مارگیرٹ میکنیکل کو سہو ہوا ہے۔

---

[1] میرا کے مالک، دگر دھر لال جی، کرشن جی ملاقات کا شرف عطا فرما کر مفارقت اور جدائی کی تکلیف نہ دیجئے۔

[2] " " کے اندر کی عبارت رسالہ "زمانہ" (مضمون جناب اختر عابدی صاحب مدیر افسانہ) سے لی گئی ہے

پنڈت درگو پی شنکر جی" کا خیال ہے کہ چتوڑ کے قلعہ پر "کنبھ شام جی" کا مندر کنبھا رانا کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی مندر کے پاس ایک مندر اور ہے۔ جسکو لوگ میرا بائی کا بنوایا ہوا بتاتے ہیں۔ ان دونوں مندروں کے پاس پاس ہونے سے یہ شبہ ہوتا ہے اور لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ شاید رانا کنبھا، رانی میرا بائی کا شوہر ہو۔ لیکن یہ دھوکا ہے۔ اور صاحب نظر کیلئے یہ بات زیادہ وقیع نہیں

شاعرانہ تعارف | میرا بائی کا نام ہندوستان میں اور ہندی شاعری میں خصوصاً بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے ان کے تصنیف کردہ بھجن جا بجا گائے جاتے ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں۔ گو ان کے بھجنوں میں مہاتماؤں اور سادھوؤں نے تحریف کی ہے لیکن ان کی شاعری کی سرحد بہت ممتاز ہے اور ایک مبصر کی نگاہ میں ان کے کلام کا امتیاز چنداں دشوار نہیں انکی شاعری جتنی مشہور ہے اسی قدر کمیاب اور قیمتی ہے۔ سخن شناس اور دُور رس نگاہیں ان کے بھجنوں کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتیں اور ہندی زبان اپنی اس قیمتی بضاعت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

ساری عمر مصیبت و تکلیف میں بسر کرنے کی وجہ سے کلام میں درد انگیز جذبات کا طوفان موجیں مار رہا ہے۔ ایک ایک دوہے کو برابر پڑھتے جائیے تو معلوم ہوگا گویا خود سراپا الم ہوئے جا رہے ہیں۔ محبت کی ہلکی چاشنی اور ہندی بھاشا کے نرم و شیریں الفاظ پھر لطیف و پاک جذبات کے ساتھ رنج و الم کا خاکہ کلام میں چار چاند لگا دیتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ پڑھتے رہیے۔

ذیل میں دیئے ہوئے چند اشعار اپنی مجموعی حیثیت سے الگ الگ لکھے جاتے ہیں جس سے ان کی دردناک اور غم خیز زندگی کا تاریک اور بھیانک پہلو کسی قدر روشن ہو سکے گا۔ اور واضح ہو سکے گا کہ انکی زندگی کا بیش بہا مشغلہ کیا رہا ہے۔ کرشن جی کی محبت کا نشہ رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ شاعری یکسر محبت اور قطعی الفت کا درد انگیز نغمہ معلوم ہوتی ہے۔ ناظرین کی سہولت اور آسانی کا لحاظ کرتے ہوئے نظموں کو ہندی اور اردو دونوں رسم الخط میں لکھدیا گیا ہے اور تمام ایسے لفظوں کی معمولی تشریح کر دیگئی ہے جو کسی قدر غیر مانوس سمجھے گئے ہیں یقین ہے کہ ذیل کی کاوش مجموعی حیثیت سے کسیقدر دلچسپی کا سبب ہو سکے گی۔

شاعری | ہم کلام کی لفظی خوبیاں اور ادبی نکات کی تشریح کی جانب اہل زبان کو توجہ مبذول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ترجمہ سے قبل ادب اور سنجیدگی سے اتنا اور عرض کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ۔ اصل اور ترجمہ میں زبان اور غیر زبان کے علاوہ اگر جو کمی رہ جاتی ہے وہ خیالات کی صحیح ترجمانی اور چست و برجستہ لفظوں کا برمحل صرف ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے برمحل صرف نے شعر کو شعر بنا دیا ہے اور مترجم اس کے مقابلے میں اپنی زبان کا لفظ نہیں لا سکا جسکی وجہ سے ترجمہ کی خصوصیت زائل ہو گئی ہے

ہم ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے کوشش کریں گے کہ حتی الوسع اس اہم ذمہ داری سے صحیح طور پر سبکدوش ہو سکیں۔

(۱)

اخلاقی عیوب اور دنیاوی مصروفیتوں کو ترک کرنے۔ بُری صحبت سے احتراز اور نیک صحبت کے اختیار کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے نغمہ کی بلند آہنگی اور دلپسند ترنم کے ساتھ۔ خدا کی معرفت اور اس کی جانب مشغولیت پیدا کرنے کی تبلیغ کیسے نرم و شیریں الفاظ میں کی ہے۔ کہتی ہیں کہ

رام نام رس پی جے منواں رام نام رس پی جے	राम नाम रस पीजे मनुआँ राम नाम रस पीजे
تج کوسنگ بیٹھ نت　ہر چرچا سن لی جے	तज कुसंग सत संग बैठि नित हरि चर्चा सुन लीजे
کام۔ کرودھ۔ مد۔ لوبھ۔ موہ۔ کون چت سے بہائے دی جے	काम क्रोध मद लोभ मोह कूँ चित से बहाय दीजे
میرا کے پربھو گردھر ناگر تاہی کے رنگ میں بھیجے	मीरा के प्रभु गिरधर नागर ताहि के रंग में भीजे
رام نام رس پی جے منواں رام نام رس پی جے	राम नाम रस पीजे मनुआँ राम नाम रस पीजे

منواں۔ دل۔ من۔ تج دینا۔ ترک کردینا۔ کوسنگ۔ بُری صحبت۔ ست سنگ۔ اچھی صحبت۔ ہری۔ خدا۔ کام۔ دنیاوی مشاغل۔ کرودھ۔ غصّہ۔ مد۔ گھمنڈ۔ لوبھ۔ لالچ۔ موہ۔ دنیاوی محبت۔ گردھر ناگر۔ سری کرشن جی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

میرے پیارے دل غصہ۔ گھمنڈ۔ لالچ۔ اور دنیاوی مشغولیت کو (جن سے کہ روحانیت مجروح ہوتی ہے) ترک کردے۔ اور بُری صحبت سے احتراز کرکے نیک وپاک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا کہ تو ان سے خدائے پاک کا پاک تذکرہ سن سکے۔ تجھ کو لازم ہے کہ تو خدا کی محبت کی شراب پی یعنی خدا کی معرفت حاصل کر۔

(۲)

ذیل کی نظم کیفیات ہجر وانتظار کی مکمل تصویر ہے۔ ترنم اور زبان کی شیرینی تو ایک طرف۔ تخیل اور جذبات کی بلندی۔ اظہار حالت اور عنوان استدعا پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا۔ کہ گویا محبت کا فرشتہ درد والم کا ساز بجارہا ہے اور محبت کے شیریں نغمے گا رہا ہے

مطلوب طالب کی زندگی اور اس کے ایام حیات کی دلچسپ کڑی ہے۔ وہی سرمایۂ راحت ہے اور اسی کے بدولت ساری دلچسپیوں اور تمام رنگینیوں کا ثبات ہے۔ مطلوب کی دید سے محروم طالب کی نگاہ میں ساری دلچسپیاں اور تمام رنگینیاں بھیانک اور اضطراب نما ہوجاتی ہیں۔ اسی کلیہ کے ماتحت غم نصیب میرا بائی کرشن جی کی مفارقت اور اپنی حالت کا خاکہ دلفریب اور ترنم آمیز سچی شاعری میں پیش کرتی ہیں کہ

گھڑی ایک نہیں آوڑی تم درسن بن موئے	घड़ी एक नहीं आवड़ी तुम दरसण बिन मोय
تم ہو میرے پران جی کاسوں جیوں ہوئے	तुम हो मेरे प्राण जी कासूँ जीवण होय
دھان نہ بھاوے نیند نہ آوے برہ ستاوے موئے	धान न भावे नींद न आवे विरह सतावे मोय
گھائل سی گھومت پھروں رے مرا درد نہ جانے کوئے	घायल सी घूमत फिरूँ रे मेरा दरद न जाने कोय
دیوس تو کھائے گمایو رے رین گمایو سوئے	दिवस तो खाय गमायो रे रैण गमाई सोय
پران گمایو جھورتاں رے نین گمایو روئے	प्राण गमायो झूरताँ रे नैण गमायो रोय
جو میں ایسا جانتی رے پریت کئے دُکھ ہوئے	जो मैं ऐसा जाणती रे प्रीत किये दुःख होय
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی رے پریت کرو مت کوئے	नगर ढँढोरा फेरता रे प्रीत करो मत कोय
پنتھ نہاروں ڈگر بہاروں اوبی مارگ جوئے	पंथ निहारूँ डगर बुहारूँ ऊभी मारग जोय

میرا کے پربھو کب رے ملوگے تم ملیاں سکھ ہوئے
मीरा के प्रभु कब रे मिलोगे तुम मिलियाँ सुख होय

گھڑی ایک نہیں آونی تم درسن بن موئے
घड़ी एक नहीं आवनी तुम दरसण बिन मोय

تم ہو میرے پران جی کا سون جیون ہوئے
तुमही मेरे प्राणजी का संजीवण होय

درشن - دیدار - زیارت - پران - جان - دھان - تصور - برہ - مفارقت - گھائل - بسمل - زخمی - دیوس - دن - رین
رات - جھورتان - افسردگی - مرجھانا - نین - آنکھ - گمایو - گنوا دینا - گذار دینا - پریت - محبت - پنتھ - راستہ - نہارنا - بچھنا
ڈگر - ڈگرا - راہ - بہارنا - صاف کرنا - ادبی - پریشان ہونا - اوبنا - مارگ - راستہ - آونڑے - سمانا -

اے میرے آقا (کرشن جی) تمھاری روح افزا دید سے محروم ہو کر مجھے میری زندگی کا کوئی لمحہ خوشگوار نہیں معلوم ہوتا - تم ہی میری روح اور میرے سرمایۂ راحت ہو تو کیسے ممکن ہے کہ میں تمھارے بغیر زندہ رہ سکوں -

تمھاری محبت کیش خادمہ تمھاری مفارقت کی وجہ سے مضطرب ہے - محبت کی ماری دیدار کی پیاسی (میرا) کو محض تصور سے کیا سکون حاصل ہو سکتا ہے - میرے مالک محبت کی خلش مجھ نیم بسمل کو ایک جگہ قرار نہیں دیتی - تمھارے سوا میرے اس درد سے کون آگاہ ہو سکتا ہے - مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے دن دنیاوی آلودگی میں ضائع کر دئے میرے مالک میری روح تمھاری مفارقت اور جدائی کے غم میں افسردہ ہے اور میری آنکھیں غم ہجر میں روتے روتے ضائع ہوا چاہتی ہیں - کاش مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ محبت (جسکا آغاز غیر اختیاری اور بظاہر بہت آسان و پُر لطف ہوتا ہے) میں ایسی تکلیف ہوتی ہے - تو (میں خود اس سے احتراز کرتی) میں یقیناً تمام دنیا والوں کو آگاہ کر دیتی کہ دیکھو کبھی کوئی کسی کی محبت میں مبتلا نہ ہو - (کیونکہ اسکی ابتدا پُر لطف اور انتہا مصیبت کی انتہا ہے) اے مالک (کرشن جی) تمھاری محبت اور تمھارے انتظار میں میرا روز و شب کا یہ مشغلہ ہے کہ میں تمھاری راہ تاکا کرتی ہوں اور آنے کی امید میں راستہ صاف کیا کرتی ہوں (کہ میرا شیام ادھر سے آئیگا) پھر بیتاب ہو کر تمھاری منتظر ہوتی ہوں اور ادھر ادھر دیکھا کرتی ہوں - میرا کے مالک کرشن جی کاش تم مطلع کرتے کہ کب ملوگے کیونکہ تمھارے ملنے سے اور صرف ملنے کی امید سے مجھ حقیر کو حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے -

فراق و انتظار کی کشمکش سے گھبرا کر ایک مجبور عاشق جس متانت و ادب کے ساتھ محبوب کو اس کے حقوق یاد دلاتا ہے اور باوجود انتہائے اضطراب کے جس انکسار و عجز کے ساتھ مطلوب کو ایفائے وعدہ کی ترغیب دلاتا اور اپنی بیچی اور غم خیز حالت کو دردناک الفاظ میں ظاہر کرتا ہے - میرا بائی اپنی حیثیت سے اس کیفیت کا بالکل سچا اور صحیح خاکہ لفظوں میں پیش کرتی ہیں اور اپنے خاص انداز میں فرماتی ہیں کہ

پیا اتنی بنتی سن موری کوئی کہیو رے جائے
पिया इतनी बिनती मोरी कोई कहियो रे जाय

اورن سوں رس بتیاں کرت ہو ہمسے رہے چت چرائے
औरन सूँ रस बतियाँ करत हो हमसे रहे चित चुराय

تم بن میرے اور نہ کوئی میں سرڑان گت توری
آون کہہ گیو آج نہ آیو دیوس رہے اب تھوڑی
میرا کے پربھو کب رے ملوگے ارج (عرض) کروں کرجوری
پیا اتنی بنتی سن موری کوئی کہیو رے جائے
اورن سے رس بتیاں کرت ہو ہم سے رہے چت چرائے

तुम बिन मेरे और न कोई मैं सरणागत तेरी
आवण कह गये अजहूं न आये दिवस रहे अब थोरी
मीरा कहे प्रभू कब रे मिलोगे अरज करूं कर जोरी
पिया इतनी बिनती सुन मोरी कोई कहियो रे जाय
औरन सूं रसबतियां करत हो हम से रहे चित चुराय

بنتی - منت سماجت - اورن - اور لوگوں سے - دوسروں سے - رس بتیاں - رسیلی باتیں - پرلطف گفتگو - سرڑان گت - بس میں ہونا - قربان ہونا - کر - ہاتھ

کیا کوئی ایسا ہے جو میرے آقا (کرشن جی) کی خدمت میں میری یہ منت وسماجت سے بھری ہوئی استدعا پیش کرے کہ اے میرے مالک آپ غیروں سے (لطف ومدارات کے ساتھ پیش آتے ہیں) پرلطف گفتگو کرتے ہیں - اور مجھ جیسی محبت کیش کو (جس کا آپ کے سوا اور کوئی پرسان نہیں ہے اور جو بالکل آپ کے بس میں ہے کو) محروم کر رکھا ہے - میرے "پیا" آپ نے آنے کا وعدہ کیا تھا - اور وہ وعدہ آج بھی نہ پورا ہو سکا - آپ کی "داسی" میرا آپ کی خدمت میں عاجزی وادب کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہے کہ اے میرا کے مالک آپ کب ملیں گے اور کب شرف دیدار سے عزت افزائی فرمائیں گے کیونکہ میرے ایام حیات بہت کم رہ گئے ہیں -

ایک پاکیزہ ہستی مقدس وجود کے سامنے سرتاپا عجز ونیاز بنکر پیش ہوتی ہے - فراق کی تکلیف - انتظار کی بےچینی - نفسانی خواہشات - دنیا کی بے ثباتی اور اہل عالم کے ظاہری اور تصنع آمیز تعلقات سے متاثر ہو کر دنیا کی تمام دلفریبیوں کو خیرباد کہنا چاہتی ہے اور انتہائے اضطراب میں میرا بائی کی زبان میں اس طرح پکار اٹھتی ہے - کہ

مہاں رو جنم مرن کے ساتھی
تھاں نے نہیں بسروں دن راتی
تم دکھیاں بن کل نہ پڑت ہے جانت میری چھاتی
اونچی چڑھ چڑھ پنتھ نہاروں روے روے انکھیاں راتی
یو سنسار سکل جگ جھوٹو جھوٹا کل را ناتی
دو ؤ کر جوڑیاں (عرض) ارج کرت ہوں سن لیجئے موری باتی
یو من میرو بڑو حرامی جیوں مدماتو ہاتھی
ست گرو دست دھریو سر اوپر آنکس دے سمجھاتی
میرا کے پربھو گردھر ناگر ہری چرڑان چت راتی

म्हांरो जन्म मरन के साथी
थांने नाहं बिसरूं दिन राती

तुम देख्यां बिन कल न पड़त है	जानत मेरी छाती
ऊंची चढ़ चढ़ पंथ निहारूं	रोय रोय अंखियां राती
यो संसार सकल जग झूठो	झूठा कुलरा नाती
दोउ कर जोड़ियां अरज करत हूं	सुण लीज्यो मेरी बाती
यो मन मेरो बड़ो हरामी	ज्यों मदमातो हाथी
सतगुरु दस्त धरयो सिर ऊपर	आंकुस दे समझाती
मीरा के प्रभु गिरधर नागर	हरि चरणां चित राती

پل پل تیرا روپ نہاروں نرکھ نرکھ سکھ پاتی
مہاں رو جنم مرن کے ساتھی
تھاں نے نہیں بسروں دن راتی

पल पल तेरा रूप निहारूँ निरख निरख सुख पाती
म्हाँरी जन्म मरन के साथी
थाँने नहिं बिसरूँ दिन राती

مہاں رو - ہمارے - جنم - زندگی - مرن - موت - تھاں نے - تمکو - بسروں - بھولوں - پنتھ - راستہ - راتی - لال - سرخ - سنسار دنیا - را - کا - ناتی - تعلق - ست گرو - سچا پیر - چرنان - قدم - راتی - لگی ہوئی - نرکھ نرکھ - دیکھ دیکھ -

اے سری کرشن جی آپ ہماری موت وحیات کے ساتھ ہیں - میں آپ کو دن رات کسی وقت (سوتے جاگتے) نہیں بھول سکتی - آپ کی دید کے بغیر مجھے ایک گھڑی چین نہیں آتا - اور آپکی مفارقت کی اس کیفیت کو میرا دل ہی جانتا ہے - میں اونچے اونچے مقام پر چڑھ چڑھ کر آپ کی راہ دیکھا کرتی ہوں اور آپ کی مفارقت میں رو رو کر اپنی آنکھیں لال کیا کرتی ہوں - یہ دنیا اور اس کے سارے تعلقات فانی اور باطل ہیں - میں ادب سے دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہوں کہ آپ توجہ سے میری گذارش سن لیجئے کہ میرا یہ نفس سرکش مغرور و مست ہاتھی کی طرح میرے قابو سے باہر ہے - میں اپنے روحانی پیشوا (کرشن جی) کی ہدایتوں اور پاک تعلیم کا آنکس اس نفس سرکش کو لگا لگا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کرتی ہوں میں چاہتی ہوں کہ ہمیشہ آپ کے قدموں سے لگی رہوں - اور گھڑی گھڑی آپ کے جلوۂ دیدار سے مستفیض ہوتی رہوں - کیونکہ مجھے اس طرح حقیقی مسرت نصیب ہوتی ہے

کلام پر تبصرہ | مندرجہ بالا نظموں سے جو نمونتہً پیش کی گئی ہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ "میرا بائی" کس پایہ کی شاعرہ ہیں اور وہ اپنی شاعرانہ ذمہ داریوں سے کہاں تک کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتی ہیں - جس جس عنوان سے انھوں نے اپنی ذاتی فضا کا دلچسپ خاکہ کھینچا ہے اور جس جس پیرایہ میں اخلاقی صفات - دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ پیش کیا ہے - اہل نظر پر مخفی نہیں ہے - حرص - کینہ - غرور کے نقصانات - نیک صحبت کی ترغیب - خدا اور اس کی معرفت کی تعلیم - مادی مشغولیت اور روحانی غفلت کے نتائج - کرشن جی کی مدح - اور اس پاک ذات سے سچی محبت کا اظہار ملنے کی تمنا - دیدار کا شوق - غم دوری کی شکایت زندگی سے بیزاری - فراق کی بیتابی - انتظار کی کیفیت اور حرماں نصیبی کا شکوہ جس زبان اور جس ادب و متانت کے ساتھ کیا ہے اسکی داد جسقدر دیجائے کم ہے سچی اور مستقل محبت طالب کے جذبات میں ایک ہنگامہ زا کیفیت پیدا کرتی رہتی ہے اور رشک محبت - بدگمانی - شوق دیدار جیسے اثرات مرتب کرتی رہتی ہے

میرا بائی پر کرشن جی کی محبت کا غلبہ تھا - لہذا لوازمات محبت و کیفیات الفت جنکا طاری ہونا یقینی اور ضروری ہے - ان پر بھی طاری ہوئے - ایسے لطیف و پاکیزہ جذبات کے اثرات کی تشریح جس نرم و شیریں زبان میں کی ہے اور جس لطیف اور نازک انداز پر اپنی شاعری کا رخ قائم کیا ہے - وہ محتاج بیان نہیں نظموں کا مطالعہ کیجئے اور دلچسپی کے ساتھ اندازہ کیجئے کہ ایفائے وعدہ کی استدعا اور دیدار سے شرف اندوز ہونے کی آرزو - اپنی بے تابی اور انتہائے محبت کا اظہار کیسے پر لطف طریقوں سے کیا ہے

اُن کی سچی اور مبالغہ سے پاک شاعری - ان کی بھیانک اور سرتاپا الم زندگی کا لازمی نتیجہ ہے دردانگیز جذبات نے کلام کو اثر سے

اور ہندی زبان کے نرم شیریں لفظوں نے ترنم سے لبریز کردیا ہے

نغمہ کی زبان سے (جو مسرت و انبساط کی روح ہے) غم خیز جذبات (جو محبت کا انجام ہے) کا اظہار ایک ایسے اضطراب مسرت زا کا پیش کرتا ہے۔ جس کو صرف محبت کے کان سُن سکتے ہیں اور جس پر صرف اُلفت کے مارے سر دُھنتے ہیں

ان کو سری کرشن جی سے عقیدت تھی یا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان کو اُن کا عشق تھا۔ بہر کیف آپ نے دی ہوئی نظموں کے ترجمہ میں خاص طور سے اس بات کا لحاظ کیا ہوگا کہ کس کس انداز سے کرشن جی کو مخاطب کرتی ہیں اور آداب محبت کا لحاظ رکھتے ہوئے استدعا کے لئے کیسے کیسے عنوانات اختیار کرتی ہیں۔ اُن کی زندگی کے واقعات اور انکی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے جو خیال پیدا ہوتا ہے اس کا مختصراً اس طرح ذکر کردینا ضروری خیال کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ جس طرح رانی نے اپنی زندگی کرشن جی کی محبت میں صرف کردی تھی اسی طرح اپنا سارا کلام بھی کرشن جی کے نذر کردیا۔ شاید ہی کوئی نظم ہو جو اس جذبہ سے خالی ہو

مضمون کے طویل ہونے کے خوف سے، ہم نظموں کی نقل اور انکی تشریح لفظی سے درگذر کرتے ہیں اور ذیل میں چند نظموں کے ترجمے پیش کرتے ہوئے مضمون کو ختم کرتے ہیں

دنیا اور اس کی دلچسپی منظر اور اس کی دلآویزی کا اقتضا ہے کہ وہ اپنی رنگینیوں میں انسان کو جذب کرے۔ لیکن پاک ذات سے وابستہ ہستیاں ان ظاہری نقش و نگار کا فریب نہیں کھاتیں اور انکی روحانی پاکیزگی انکو کسی مادی دلچسپی میں نہیں محو ہونے دیتی اس مفہوم کو اپنے خاص انداز سے کتنے دلچسپ طریقہ پر بیان کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ

"بادل ہر طرف سے جھوم جھوم کر آئے ہیں مگر وہ ہری (کرشن جی) کا کوئی پیغام نہیں لائے طائر اپنی شیریں نوائی سے سننے والوں کے دلوں میں جوش پیدا کررہے ہیں۔ کوئل چلا رہی ہے۔ بلا کی تاریکی ہے بجلی چمک چمک کر ان غمگین عورتوں کو خوفزدہ کررہی ہے جنکے شوہر باہر ہیں۔ معطر ہوا موسیقیت سے لبریز ہے۔ بارش مسلسل ہو رہی ہے۔ جدائی کی گھڑیاں کالے سانپ کی طرح ڈرا رہی ہیں۔ (یہ سب کچھ ہے) لیکن میرا کا دل (ان سب رنگینیوں اور منظر کی ان تمام دلآویزیوں سے بے نیاز ہے اور صرف) ہری (کرشن جی بھگوان) کے خیال میں کھویا ہوا ہے"

انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر بات میں لطف آتا ہے اور اس کا تذکرہ خاص طور پر مسرت زا و انبساط انگیز ہوتا ہے۔ میرا بائی کو جس ذات سے خاص لگاؤ تھا ناممکن تھا کہ وہ اس کی یاد سے غافل رہتیں۔ رانی کے لمحات زندگی کرشن جی کی یاد کے سوا کسی اور کام میں نہ صرف ہوتے تھے۔ اور رانی کسی وقت اس پاک ہستی کو فراموش نہ کرتی تھیں۔ ذیل کی نظم میں (جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے) انھوں نے کرشن کا مجمل مگر دلچسپ اور شعریت لیے ہوئے سراپا پیش کیا ہے جو محبت کیش وجود کی جانب سے ناظرین کی خدمت میں ایک قیمتی تحفہ کی شکل میں پیش ہے۔ فرماتی ہیں کہ

"ان کا جسم سراپا حسن ہے۔ انکی آنکھیں کنول کا پھول ہیں انکی نظر بلا کی دلفریب ہے۔ ان کا تبسم بے حد شیریں ہے۔ جمنا جی کے ساحل پر وہ گایوں کو چرایا کرتے ہیں اور اپنی محبت بھری بانسری بجایا کرتے ہیں"

سا ۔ ۔ " " نشانات کے اندر کی عبارت اختر عابدی صاحب سابق مدیر افسانہ کے مضمون سے جو رسالہ زمانہ میں شائع ہوا ہی گئی ہے

مفارقت سے متاثر ہو کر انتظار و بیقراری کا اظہار اور دیدار کی خواہش کے ساتھ حصول مسرت کی استدعا کرتے ہوئے اپنی حالت اپنے محبوب (کرشن جی) کے سامنے یوں ظاہر کرتی ہیں کہ

"بیداری کی وجہ سے آنکھیں خمار آلودہ ہو گئی ہیں - اے میرے مالک جب سے تم علیحدہ ہو گئے ہو میرے دل نے قرار نہیں پایا - تمھاری آواز سن کر میرا دل دھڑکنے لگتا ہے - تمھارے الفاظ میں شیرینی محسوس ہوتی ہے میری آنکھیں تمھارے آنے کا انتظار کر رہی ہیں - ہر رات، مجھے نصف سال کے برابر معلوم ہوتی ہے - اے میرے ندیم میں تیری جدائی کی تکلیفیں کسطرح بیان کروں - ساری رات میرا کو بیقراری میں گذر جاتی ہے اب لے میرے آقا میں تجھے کب پاؤں گی اور تو کب میری تکلیفوں کو دور کر کے مسرت بخشے گا"

میرا بائی کرشن جی کے مجسمہ کے رو برو گایا اور کبھی کبھی وفور جوش محبت میں ناچا بھی کرتی تھیں اُن کے زندگی بسر کرنے کے طریقہ پر اعزاز اور اقربا کو اعتراض تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ رانی اس قسم کی (رانی کا ہمہ تن مجسمہ سے مصروف ہونا اور ان کا دیوانوں کی طرح روز و شب پریشاں رہنا نیز تمام سادھوؤں اور مہاتماؤں کا ان کو گھیرے رہنا) زندگی بسر کریں جس کی پوری تشریح ابتدائے مضمون میں ہونے کی ہے - یہاں نیچے لکھی ہوئی نظم سے ان تمام باتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور کسی قدر اجمالی صورت میں رانی کی زندگی کا ایک پہلو روشن ہوتا ہے کہتی ہیں کہ

"میں اپنے مالک سے محبت کرتی ہوں اور اس امر کے ظاہر کرنے میں مجھے بالکل شرم نہیں معلوم ہوتی ہے - کیونکہ مجھے لوگوں نے علانیہ رقص کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے - دن میں مجھے بھوک نہیں لگتی - رات کو نیند نہیں آتی میں ہمیشہ بیقرار رہتی ہوں - ان تکلیفوں کو پس پشت ڈالکر میں دوسری طرف جاؤں گی کیونکہ ایک علم مخفی نے مجھ پر غلبہ حاصل کیا ہے - میرے تمام اعزہ و اقربا مجھ کو شہد کی مکھیوں کی طرح گھیر لیتے ہیں اور مجھے میرے ارادے سے باز رکھنا چاہتے ہیں لیکن میرا اپنے آقا کرشن جی کی لونڈی ہے اس کو کسی بات کی پروا نہیں خواہ دنیا اس کے متعلق کچھ کیوں نہ کہے -"

نشان کی ہوئی عبارت سے بیان کئے ہوئے ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے جنکا تذکرہ ہم "حالات زندگی" کی تحت میں کر آئے ہیں -

رانی میرا بائی کی ایک دعائیہ نظم پر ہم تراجم اور نمونہ جات کلام کے سلسلہ کو ختم کرتے ہیں اور لطف ناظرین کا لحاظ کرتے ہوئے اس نظم کو بجنسہ نقل کرتے ہیں -

یہ نظم سراسر التجا ہے جو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کرشن جی کی پاک خدمت میں کی گئی ہے - اس سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ میرا بائی کی زندگی کا نصب العین کیا تھا - کیونکہ مقدس ذات کے سامنے امیدوار دل کی زبان سے وہی الفاظ نکلتے ہیں - جس کا وہ سچائی کے ساتھ آرزومند ہوتا ہے - ذیل کی نظم سے یہ بات واضح ہو سکے گی - کہ رانی اپنے مالک سے کیا چاہتی تھی اور اس کو کیسے مؤثر اور دل پسند انداز سے اپنے آقا کے سامنے پیش کیا ہے - کہتی ہیں کہ

نوٹ: "" کے اندر کی عبارت اختر عابدی صاحب سابق مدیر افسانہ کے مضمون سے جو رسالہ زمانہ کانپور میں شائع ہوا ہے اخذ کی گئی ہے -

میرا کے پربھو سانچی داسی بناؤ	मीरा के प्रभु साँची दासी बनाओ
جھوٹے دھندوں سے میرا پھندا چھڑاؤ	झूठे धंधों से मेरा फंदा छुड़ाओ
لوٹے ہی لیت بیوک کا ڈیرا	लूटेहीलेत बिबेक का डेरा
بدھ - بل - یدپ کروں بہتیرا	बुध बल यदपि करूं बहु तेरा
ہائے رام نہیں کچھ بس میرا	हाय राम नहिं कुछ बस मेरा
مرت ہوں بے بس پربھو دھاؤ سویرا	मरत हूं बिबस प्रभु धाओ सवेरा
دھرم اپدیش نت پرتی سنتی ہوں	धर्म उपदेश नित प्रति सुनती हूं
من کچال سے بھی ڈرتی ہوں	मन कुचाल से भी डरती हूं
سدا سادھو سیوا کرتی ہوں	सदा साधु सेवा करती हूं
سومیرن دھیان میں چت دھرتی ہوں	सुमिरण ध्यान में चित धरती हूं
بھگت مارگ داسی کو دکھاؤ	भक्ति मार्ग दासी को दिखाओ
میرا کے پربھو سانچی داسی بناؤ	मीरा के प्रभु साँची दासी बनाओ
جھوٹے دھندوں سے میرا پھندا چھڑاؤ	झूठे धंधों से मेरा फंदा छुड़ाओ

داسی - خادمہ - لونڈی - دھاؤ - دوڑو - مدد کرو - سویرا - جلدی - نت - روز - سدا - پرتی - ہر ایک - دھندھوں - کام بی بیک - طرح طرح کے خیالات - داہمہ - بدھ - عقل - بل - طاقت - یدپ - تو بھی - پھر بھی - سیوا - خدمت - دھرم اپدیش - مذہب کی خوبیاں - کچال - خراب چال والا - سادھو - نیک ہستیاں - سومرن - وظیفہ - یاد کرنا - بھگت مارگ - عبادت کی راہ -

اے میرے آقا کرشن جی مجھ کو اپنی سچی خادمہ بننے کی عزت سے سرفراز فرمائیے - اور مجھے باطل پرستی سے نجات دیجئے - میں اپنی عقل و بساط کے بموجب پوری کوشش کرتی ہوں لیکن پھر بھی مجھے دور از کار - فضول اور باطل خیالات کے ہجوم پامال کرتے رہتے ہیں - اے میرے آقا میرا کچھ بس نہیں ہے - میں عاجز و مجبور بے بس و بیکس مر رہی ہوں - آپ (براہ کرم) میری امداد کیجئے - میں ہمیشہ مذہبی نیک باتیں سنتی ہوں اور اپنے نفس سرکش کے خیالات باطل سے ڈرتی ہوں اور نیک و پاک لوگوں کی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتی ہوں (یہی نہیں بلکہ) آپ کی یاد میں بھی اپنا عزیز وقت اور اپنا قیمتی لمحۂ زندگی (پوری سرگرمی کے ساتھ) صرف کرتی ہوں - لہذا آپ مجھ ناتواں کو سچی خادمہ بننے کی توفیق عطا فرمائیے - اور اپنی عبادت کی سیدھی راہ کی رہبری فرمائیے -

عبدالجلیل سید سرانوی

آئندہ جنوری ۳۲ء کا نگار

تقریباً دوسو ۲۰۰ صفحات پر شائع ہوگا

اور مخصوص ہوگا **مطائبات غالب** کیلئے۔ اسوقت تک غالب پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسکی فلسفہ طرازی، معنی آفرینی علوے خیال، بلندی مفہوم اور دشوار پسندی سے متعلق تھا لیکن یہ راز ابتک سربستہ ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا حقیقی راز ان سب سے علیحدہ صرف اس کی شوخی، شوخ نگاری، بذلہ سنجی اور مطائبات پسندی میں پنہاں ہے جنھوں نے اس کے سارے کلام کو خواہ وہ نظم ہو یا نثر، فارسی ہو یا اردو ایک نہایت ہی اچھوتی قسم کی تنقید ملیح (Witty Criticism) میں تبدیل کر دیا ہے

یہ مضمون ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے جس میں برسوں کی محنت و کاوش کے بعد اس کے اردو کلام سے اس کی فارسی تصانیف سے اس کے رقعات سے اور تمام ان واقعات و حالات سے جو تذکروں اور خود اس کی تصانیف میں ملتے ہیں **غالب** کی شوخی و شوخ نگاری پر تمام پہلوؤں سے نہایت ہی مکمل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا تنہا راز صرف یہ تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے نہایت شوخ و بذلہ سنج طبیعت لیکر آیا تھا۔ اور اس کی ساری زندگی اس کی جملہ تصانیف میں بھی وہ رنگ ہے جو تمام شعراء سے اسے ممتاز بناتا ہے

سب سے پہلے ایک بسیط مقدمے کے ذریعے سے مثالیں دے دے کر بتایا جائیگا کہ شوخی و ظرافت کی دنیا میں کتنی قسمیں ہیں غالب سے قبل کن کن شعراء نے اسے اختیار کیا۔ ہندوستان میں اس رنگ نے کتنا نوع اختیار کیا۔ اور پھر **غالب** کے اردو و فارسی کلام اور اس کے حالات و کوائف زندگی کا استقصاء کر کے بتایا جائے گا کہ غالب حقیقتاً کس قدر دلچسپ انسان تھا۔ اور کیسے کیسے نوادر ادب اور لطائف انشاء وہ اپنے بعد چھوڑ گیا ہے

یہ کتاب اگر ایک طرف فن تنقید کی بہترین مثال ہو تو دوسری طرف ایسا مجموعہ لطائف ہے کہ شاید ہی اس سے بہتر ذریعہ تفریح و دلچسپی کوئی اور ہو۔ یہ تصنیف **غالب** کے متعلق بالکل اچھوتی چیز ہوگی اور ہر شخص کے ذوق کو آسودہ کرنیوالی۔ وہ حضرات جو غالب کا صحیح مطالعہ کرنا چاہتے ہیں انکے لئے اس کتاب کا دیکھنا ایک فریضہ ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب صرف نگار کے جنوری نمبر میں شایع ہوگی اور اسلئے اسکے حاصل کرنیکا تنہا ذریعہ یہی ہے کہ نگار کی خریداری کو جاری رکھئے اور آپکے حلقہ احباب میں جو حضرات اس کتاب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں نگار کی خریداری پر آمادہ کیجئے۔ اسی کے ساتھ غالب کی ایک رنگین تصویر بھی ہوگی جو اس سے قبل کہیں شایع نہیں ہوئی۔

نیاز

قتال فی سبیل اللہ

ایک عرصہ سے میں عنوان بالا پر اپنے منتشر خیالات کے اظہار کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن بعض مخصوص وجوہ سے کچھ نہ لکھ سکا، پچھلے دنوں کانگریس کی شرکت و عدم شرکت کے سلسلہ میں چند مقالات اور فتوے مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا، جن میں غیر اتفاقی طور پر ضمناً میرے اس عنوان پر جو قارئین کرام ان سطور پر کی پیشانی پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا دیکھ رہے ہیں، اظہار خیال کیا گیا تھا، اور میرے عقیدہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ یکسر غلط و سرتاپا بیچ نہ تھا، یعنی قتال فی سبیل اللہ کی جو تشریح کی گئی تھی، یا قتال فی سبیل اللہ کے جو شرعی و اسلامی معنی بتائے گئے تھے، وہ میرے نزدیک درست نہ تھے، ان تحریروں نے از سر نو میرے پرانے خیال کو جو امتداد زمانہ سے مردہ ہو چکا تھا زندہ کر دیا، اور میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اگر قتال فی سبیل اللہ ایسے اہم مسئلہ کے متعلق وہ تشریح بھی جو حضرات علماء کرام اپنی تحریروں میں بیان فرما رہے ہیں، عام مسلمانوں میں رائج ہو گئی یا عام طور پر سمجھی جانے لگی، تو دین متین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائیگا، یہ چند سطور حوالہ قلم کرتی ضرور خیال کیں، حق کوش اور حق فہم اصحاب سے قوی امید ہے، کہ وہ میرے ان خیالات کا بغور مطالعہ فرمائیں گے،

لغوی تحقیق | ظاہر ہے کہ قتال فی سبیل اللہ عربی زبان کا فقرہ ہے، جسکے لفظی معنی اُردو میں "اللہ کی راہ میں جنگ" ہیں، اور یہ بھی قریب قریب اتنا ہی صاف ہے کہ فی سبیل اللہ عربی زبان میں "للہ" یا "لوجہ اللہ" کے معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ "انفاق فی سبیل اللہ" کے معنی اللہ کے لئے خرچ کرنا بیان کئے جاتے ہیں، یہ سمجھنا چاہئے کہ "سبیل" عربی میں مطلقاً "لئے" یا "واسطہ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً اگر یہ کہنا مقصود ہو کہ زید حق کی حمایت کرتے ہوئے مارا گیا تو یوں کہیں گے، مات زید ھافی سبیل الحق۔ اس مختصر سی لفظی تشریح کے بعد قتال فی سبیل اللہ کے معنی اللہ کے لئے، اللہ کے واسطے، یا اللہ کی غرض سے جنگ کرنا، ہوں گے

کشف معنی | یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اسلامی اصول کے پیش نظر کسی کام کو خدا کے لئے کرنے یا خدا کی غرض سے کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں، کہ خدا کو اس کام سے کوئی فائدہ پہونچتا ہے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا اس سے خوش ہوتا ہے، اور محض اس وجہ سے خوش ہوتا ہے، کہ وہ کام بالفعل اپنے درجہ میں اچھا ہے، موجب خیر ہے، اور اس کے بندوں کے لئے باعث صد برکت ہے

قتال فی سبیل اللہ کے غلط شرعی معنی | ہمارے محترم علماء قتال فی سبیل اللہ کے معنی قتال علا کلمۃ اللہ بیان فرماتے ہیں، یعنی کلمہ توحید یا واضح تر الفاظ میں خدا کو ایک منوانے اور نبی عربی پر ایمان لانے پر مجبور کرنے کی غرض سے جنگ کرنا، اسکی تائید میں یہ حضرات ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ جس کو اصحاب ستہ نے روایت کیا ہے۔ اور جس کے ترجمے میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

"نبی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا، کہ ایک شخص دلیر ہونے کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، دوسرا غصہ آجانے کی وجہ سے کرتا ہے، تیسرا لوگ دکھاوے کو میدان جنگ میں اترتا ہے، ان میں کون مقاتل فی سبیل اللہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہ شخص مقاتل فی سبیل اللہ ہے۔ جسکا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو۔"

حدیث کا مطلب میرے نزدیک حضرات علمائے کرام کے بیان کئے ہوئے معنی صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ میں ابتدائی تمہیدی سطور میں عرض کر چکا ہوں، قتال فی سبیل اللہ کے صحیح شرعی معنی بتانے سے پہلے یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ یہ معنی غلط کیوں ہیں؟ نیز یہ کہ علما، جو حدیث پیش کر رہے ہیں اسکا صحیح مطلب کیا ہے؟ ان دو سوالوں میں سے دوسرے سوال کے متعلق میں عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا، کہ اللہ کو ایک منوانے کی غرض سے جنگ کرنا قتال فی سبیل اللہ ہے۔ بلکہ اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق کی حمایت کی غرض سے، اس کو حق سمجھتے ہوئے، جنگ کرنا قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اس لئے کہ سائل نے نبی علیہ السلام سے ان تین شخصوں کے متعلق دریافت کیا ہے، جو مختلف تین اغراض سے خدا کے بندوں کا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، ایک تو وہ جو دلیر ہے، بہادر ہے، اور جس کا دل ہمیشہ شجاعت دکھانے کے لئے اس کے پہلو میں تڑپتا رہتا ہے، دوسرا وہ جس کی قوت غضبیہ دہکتی ہوئی آگ کی طرح برابر بھڑکتی رہتی ہے، اور جو محض اپنی اس مشتعل آگ کو بجھانے کی غرض سے دوسرے کا خون پانی کی طرح بہانے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تیسرا وہ جو صرف دکھاوے کو جنگ کے میدان میں اُترتا ہے، اور شمشیر زنی کے جوہر دکھاتا ہے، یہ تینوں شخص ہو سکتا ہے کہ ایسی جنگ میں حصہ لے رہے ہوں، جو حمایت حق اور تقویت دین کے لئے کی جا رہی ہو، لیکن ان کے پیش نظر وہ اعلیٰ مقصد نہ ہو، بلکہ وہ تین پُر دنائت مقاصد ہوں، جنکی تفصیل ابھی سطور بالا میں مذکور ہوئی ہے، نبی علیہ السلام فرماتے ہیں، کہ یہ اشخاص محض اسوجہ سے مقاتلین فی سبیل اللہ کی فہرست سے خارج ہو گئے کہ انھوں نے اچھی نیت سے جنگ نہیں کی، اگرچہ وہ جنگ فی نفسہ اچھی تھی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، کہ اگر بالفرض جنگ کسی اچھے مقصد کے پیش نظر نہ کی جا رہی ہو، یعنی حمایت حق یا تقویت دین کے علاوہ کوئی اور پُر دنائت مقصد سامنے ہو، مثلاً کسی پُرامن قوم کو شخصی یا ذاتی اغراض سے مقہور کیا جا رہا ہو، اور جنگ کرنیوالا لوگوں کے دکھانے یا غصہ آجانے یا اظہار شجاعت کے لئے جنگ کر رہا ہو تو یہ صورت بدرجہ اولیٰ مذموم، اور بدرجہ غائت زشت و معیوب ہو گی۔ اور اس پر ہندی کی یہ مثل صادق آئے گی "کریلا اور نیم چڑھا"۔

ایک کھلی غلطی مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے، کہ ہندوستان کے ایک قابل احترام[2] بزرگ نے قتال فی سبیل اللہ کے معنی بتاتے ہوئے مندرجہ حدیث پیش کی، اور "حمیۃ" کے آگے قوسین کے درمیان لفظ حمیۃ کو واضح کرنے کی غرض سے للقوم اوالوطن مثلاً ثبت فرما دیا، گویا انھوں نے حمیت کے معنی حمایت لئے اور حمایت کی توضیح کے لئے مثال پیش فرما دیں، ایک حمایت قوم دوسرے حمایت وطن

---

[1] سئل النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن الرجل یقاتل شجاعۃ ویقاتل حمیۃ ویقاتل ریاء ای ذالک فی سبیل اللہ فقال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا للسنتہ الا ما لکا۔ (جمع الفوائد)

[2] مولوی اشرف علی تھانوی مراد ہیں (مسائل سلین صنا)

میں آگے عرض کرنے والا ہوں، کہ قوم اور وطن کی حمایت کی غرض سے جنگ کرنا میرے نزدیک قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اور یقیناً قتال فی سبیل اللہ ہے، اور اس جنگ میں مرجانے والا شخص بلاشائبہ شک وشبہ شہید ہے، ہمارے محترم بزرگ نے حمیت کے معنی غلط سمجھے یا غلط سمجھانے کی کوشش کی، حمیت میں بہ تشدید یا سمجھتا ہوں، اور اسی کو صحیح خیال کرتا ہوں، یہ اس فعل کا مصدر ہے جو سمع یسمع سے آتا ہے اور جس کے معنی الفہ یا ننگ یا چڑھاپن ہیں نہ کہ حمایت، حمایت ضرب سے آتا ہے، امام راغب اصفہانی کی ذمہ داری پر، جو پانچویں صدی ہجری کی ایک بڑے فاضل ادیب اور مفسر ہیں، میں حمیت کے معنی غضب اور غصہ کرتا ہوں، مفردات کا باب لحا ملاحظہ فرمائیے موصوف لکھتے ہیں: قوتِ غضبیہ جس وقت بھڑک اٹھے، اور مشتعل ہوجائے، تو حمیت کہلاتی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے، حَمِیتُ علی فلان، یعنی میں فلاں شخص پر غصہ ہوا یہی معنی قرآن کی اس آیت میں بھی لئے گئے ہیں۔ حمیۃ الجاہلیۃ[۱]

علماء کے بیان کئے ہوئے معنی غلط کیوں ہیں؟

علماء کے بیان کئے ہوئے معنی کئی وجوہ سے غلط ہیں، اگر ان سب وجوہ کو بیان کیا جائے، تو خیال کرتا ہوں، مضمون بہت طویل ہوجائے گا، اور اُسے علیحدہ ترتیب دینا پڑیگا۔ اس لئے میں اس فرصت میں صرف چند وجوہ بقدر وسعت اختصار سے بیان کرونگا، یہ تو عرض کیا ہی جاچکا ہے، کہ علماء کرام قتال فی سبیل اللہ کے معنی اعلاء کلمۃ اللہ اور تقویت دین بتاتے ہیں، اور میرے خیال کے مطابق ان دونوں عبارتوں کا مقصد یہ ہے، کہ اسلام کو منوانے کی غرض سے جنگ کیجائے اور کافروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اسلام لائیں، اور محض اس غرض سے اپنے ملک سے نکل کر، خواہ وہ اپنی جگہ کیسے ہی پُرامن کیوں نہ ہوں، ان پر حملہ بول دیا جائے۔ انہیں مولی اور گاجر کی طرح کاٹا جائے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے، اور کوئی وجہ نہیں کہ صحیح نہ ہو، تو اس سے قطع نظر کہ یہ چیز عقلاً صحیح نہیں ہے، عقل اس کو مذموم سمجھتی ہے، انسانی فطری قانون اسے قبیح خیال کرتا ہے، مروت اسے زشت تصور کرتی ہے، مذہباً بھی یہ جائز نہیں ہے، اس باب میں نہایت صاف اور واضح قرآن کے احکام موجود ہیں۔ میں یہاں چند آیتوں کے ترجمے اور حاشیہ پر اصل آیتیں درج کرتا ہوں۔ قارئین کرام انکا مفہوم سمجھنے کی سعی فرمائیں، مجھے یقین ہے، کہ وہ یہ ضرور سمجھ لیں گے، کہ قرآن معتقدات ومسلمات کے بارہ میں ہر شخص کو آزادی دیتا ہے، اور کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، یا یوں کہئے کہ اسلام منوانے کے لئے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا:

(۱) اگر وہ (یعنی کافر) تم سے علیحدگی اختیار کریں، تم سے جنگ نہ کریں، اور صلح کرنے پر تل جائیں تو خدا تمھیں انسے لڑنے اور جنگ کرنیسے منع کرتا ہے

(۲) اگر وہ (یعنی کافر) تم سے علیحدگی اختیار نہ کریں، اور نہ صلح کرنے پر آمادہ ہوں اور برابر دست درازی کرتے رہیں تو انہیں پکڑو اور جہاں ملیں قتل کرڈالو۔

(۳) (نبی علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہوتا ہے) مجھے تو تمھارے درمیان انصاف کرنیکا حکم دیا گیا ہے، اور اللہ تمھارا بھی ہے اور ہمارا بھی، ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں، اور ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہے۔

(۴) تمھارے لئے تمھارا دین اور ہمارے لئے ہمارا۔

---

[۱] وعبر عن القوة الغضبية اذا ثارت وكثرت بالحمية فقيل حميت على فلان اى غضبت عليه قال تعالى حمية الجاهلية (مفردات ...)

(۵) اے نبی مشرکوں اور کتابیوں سے کہہ دیجئے، کہ کیا تم اسلام لے آئے، سو اگر وہ اسلام لے آئیں۔ تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر ایمان نہ لائیں۔ (تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے) آپ کا فرض تو سمجھا دینا ہے۔

ان آیات بینات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کافر سے محض کافر ہونے کی وجہ سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے، اور نہ اسے اپنا مذہب منوانے کی غرض سے مارنا پیٹنا چاہیئے، چاہے وہ ایمان لائے یا نہ لائے، اب ذرا وہ آیات بھی ملاحظہ کر لیجئے، جو کافروں سے جنگ کرنے اور ان سے لڑنے کی وجوہ و اسباب بتاتی ہیں، ان میں ایک آیت تو نمبر ۲ میں مذکور ہو گئی۔ باقی آیات کے تراجم ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر وہ (یعنی کافر، عہد کرنے کے بعد عہد توڑ دیں، اور تمھارے مذہب میں طعن کریں تو ان میں سے جو جو کافر ہیں، ان سے جنگ کرو۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ عہد کے سچے نہیں۔

(۲) بھلا تم ایسی قوم سے جنگ کیوں نہیں کرتے، جنھوں نے عہدوں کو توڑ دیا، اور رسول کو اس کے وطن سے نکال دینے کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ہی ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔

(۳) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور ظلم نہ کرو، اس لئے کہ خدا کے نزدیک ظلم کرنیوالے محبوب نہیں۔

(۴) اگر وہ باز آجائیں، (تو انھیں کچھ نہ کہو) اس لئے کہ جنگ تو ظالموں سے کی جاتی ہے۔

میں نے یہ چند آیات پیش کی ہیں، اور بھی بہت ہیں، لیکن میں انہی پر اکتفا کرتا ہوں، اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ یہی آیتیں ہمارے علماء کے خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، قارئین اُن جملوں کو زیادہ تنبہ سے مطالعہ فرمائیں، جن پر میں نے خطوط کھینچ دئے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مطلقاً کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے، یعنی وہاں یہ مذکور نہیں ہے، کہ اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی جنگ کرو، یا اگر وہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکال دیں تو تم انہیں قتل کر ڈالو، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے، یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ ہر زمانہ میں ایسا کرنا چاہیئے، اور پُر امن و غیر مقاتل کافروں کو سوچے سمجھے بغیر موت کے

حاشیہ صفحہ ۶۹ (۲) فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم۔

(۳) امرت لاعدل بینکم، اللہ ربنا وربکم، لنا اعمالنا ولکم اعمالکم، لا حجۃ بیننا وبینکم۔

(۴) لکم دینکم ولی دین

(۵) قل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم، فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ۔

---

(۱) وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم۔

(۲) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ، اتخشونھم۔

(۳) قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ ان اللہ لا یحب المعتدین۔

(۴) فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین۔

گھاٹ اتار دینا چاہئے، بلکہ وہ زمانہ نبوت کے ساتھ خاص ہے اور اس وجہ سے خاص ہے کہ اس زمانہ کے کافر جنگ جو تھے، مفسدہ پرداز تھے، اسلام کو فنا کر دینا چاہتے تھے، میں اس کی وجہ یہ سمجھتا ہوں، کہ وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، اسلام اسوقت ایک بچہ تھا۔ جو قریش کے ایک چھوٹے سے قبیلہ بنو ہاشم کے گھر میں پیدا ہوا تھا، اور مکہ کے دو بڑے ذیجاہ وذی عزت سردار عبد المطلب اور ابو طالب کی گود میں تربیت پا رہا تھا، اس بچہ کی پیشانی سے نجابت وشرافت کے آثار نمایاں تھے ۔

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

مکہ والوں کو یہ خوف تھا کہ کہیں یہ بچہ بڑا ہو کر ان کے ہاتھوں سے ریاست وسرداری کی باگ نہ چھین لے، اور کہیں اس بچہ کے زیر اقتدار انہیں مذلت آمیز زندگی بسر کرنی نہ پڑے، اس لئے اور محض اس لئے سب سے پہلے مکہ والوں نے اس بچہ کا بچپن ہی میں گلا دبانے کی فکر کی، اور آخر میں مکہ والوں کے خطرات کا دائرہ بچہ کی روز افزوں گوناگوں ترقیوں کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا گیا، یہانتک کہ تھوڑے ہی دنوں میں تمام جزیرہ نمائے عرب میں گھٹنیوں چلنے والے بچہ سے لیکر خمیدہ پشت بوڑھے تک ہر مرد وزن اس ہونہار بچہ کے خون کا پیاسا ہو گیا، یہ سب کچھ فطری وغیر متبدل قانون کے ماتحت ہونیوالا تھا اور ہوا، یہ ضروری نہیں ہے کہ اب بھی ہو، یا اب ہے، آیندہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر میں اس مقام پر پہنچکر دو چار ایسی آیات درج کر دوں جن سے زمانہ نبوت کے مشرکین کے حالات آئینہ ہو جائیں تو بیجا نہ ہوگا۔

(۱) وہ تو تم سے اسوقت تک کرتے رہیں گے۔ جب تک اگر یہ ممکن ہو، تمھیں تمھارے دین سے نہ پھیر دیں

(۲) ان کے متعلق کیا پوچھتے ہو، اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو بالیقین نہ کسی عہد ہی کا خیال کریں اور نہ کسی قرابت کا یہ زبان کی لپا لپی ہے، اُنکے دل میں کھوٹ ہے۔

قتال فی سبیل اللہ کے صحیح شرعی معنی

میں سمجھتا ہوں کہ یہ قریب قریب صاف ہو چکا، کہ قتال فی سبیل اللہ کے وہ معنی جو علماء بیان فرماتے ہیں، اور جو سطور فوق میں لکھے جا چکے ہیں، کلیۃً نادرست وبکسر غلط ہیں، اب جو میں صحیح سمجھتا ہوں وہ قارئین کے سامنے رکھتا ہوں۔ یہ تو میں قتال فی سبیل اللہ کی لفظی ولغوی تحقیق کے ضمن میں بیان کر ہی چکا ہوں، کہ اس کے معنی ہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے جنگ کرنا۔ یہاں اتنا اور اضافہ کئے دیتا ہوں، کہ جن اعمال وافعال کو خدائے بزرگ وتوانا نے ناروا قرار دیا ہے یا جو بداہۃً ناروا ہیں۔ انکو روکنے اور منع کرنے کے لئے جنگ کرنا یا اس سے زیادہ واضح اور جامع الفاظ میں حق کی حمایت کے لئے جنگ کرنا۔ اللہ کی راہ میں جنگ ہے۔ اس لئے کہ اللہ حق کا حامی ہے۔ ظلم وجور کو برا سمجھتا ہے، جو شخص حق کی حمایت اور ظلم وجور کو مٹانے میں جان ومال سے سعی کرے گا۔ وہ یقیناً اللہ کو راضی کرے گا۔ میں نے اپنی تشریح میں یہ الفاظ "جو بداہۃً ناروا ہیں"، اس وجہ سے بڑھا دیے ہیں، کہ بعض وہ بری چیزیں جو بداہۃً یا بضرورۃ بری ہیں، مذموم ہیں، قبیح ہیں، اور محض اسوجہ سے کہ وہ جلیا بری ہیں قرآن اور اس کے بعد حدیث میں تفصیل کے ساتھ بیان نہیں

(۱) ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔

(۲) کیف وان یظهروا علیکم لا یرقبوا فیکم الّا ولا ذمۃ، یرضونکم بافواههم وتابیٰ قلوبهم۔

ہوئی ہیں، ہماری تعریف میں بری بنکر آجائیں، اور کسی شخص کو ان کے برے ہونے میں کلام نہ رہے، میری بیان کردہ تشریح کے مطابق قتال فی سبیل اللہ ٹھیک اسی طرح ایک مسلمان کے ساتھ بھی ہو سکیگا۔ جس طرح ایک کافر کے ساتھ، کفر اور اسلام باعث تفاوت نہ ہوگا۔ فرض کر لیجئے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مال و متاع چھین لینا چاہتا ہے۔ اور وہ دوسرا مسلمان مال کی حفاظت کی غرض سے جنگ کرتا ہے۔ میں اس جنگ کو قتال فی سبیل اللہ کہوں گا، اور اگر یہ مسلمان لڑتا ہوا مارا جائیگا، تو میں اسے شہید خیال کروں گا۔ علی ہذا۔ ملک، قوم، مال، نفس، عزت، حرمت، آزادی اور ایسے ہی تمام حقوق و اشیاء کی حفاظت و نگہداری کی غرض سے جنگ میرے نزدیک خالص اسلامی و شرعی جنگ ہوگی۔

تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کے ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرنا کچھ نامناسب نہ ہوگا، نبی علیہ السلام کے وفات پاجانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہیں، عرب کے کئی قبائل زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیتے ہیں، اور نہایت صاف الفاظ میں یہ کہہ دیتے ہیں، کہ ہم نماز تو پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے، صحابہ میں آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ خلیفۂ اعظم اولی و مذہبی جرأت کا ثبوت دیتے ہیں، اور کھول کر فرما دیتے ہیں، کہ اگر یہ لوگ(۱) اونٹ کا ایک بندھن دینے سے بھی انکار کریں گے، تو میں ان سے جنگ کروں گا، بالآخر یہ اسلام کا پر شکوہ خلیفہ ایک چھوٹی سی جمعیت کیساتھ مرتدین پر حملہ آور ہوتا ہے، اُدھر خارجہ ابن حصن اور منظور ابن زبان کی کمان میں غطفان کا ٹڈی دل شمشیریں برہنہ کرکے معرکہ میں کود پڑتا ہے، گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے، اسلامی جرنیل کو فتح ہوتی ہے، اور مرتدین بے حواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود ارشاد فرماتے ہیں، نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری امداد نہ کرتے تو ہم کبھی کے برباد ہو جاتے۔ یہ تاریخی واقعہ میرے آگے آنے والے دلائل کے سلسلہ کی ایک کڑی خیال کرنا چاہیئے۔ فیھا عبرۃ لمن اعتبر۔

قرآن کا فیصلہ قرآن میں کئی جگہ قتال فی سبیل اللہ کا انہی الفاظ میں ذکر آیا ہے، آپ ان آیتوں کے ایک ایک لفظ کو اور ایک ایک حرف کو بغور دیکھئے اور بانصاف فیصلہ کیجئے، آپ یقیناً اسی نتیجہ پر پہونچیں گے جس پر میں اب سے کئی ماہ پہلے پہنچ چکا ہوں یعنی یہ کہ قتال فی سبیل اللہ اسی وقت ہوگا۔ جبکہ آپ کے حقوق خطرہ میں ہوں، اور آپ کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہو، آپ کا ملک آپ سے چھین لیا گیا ہو اور آپ کو غلام بنا لیا گیا ہو، آپ کے بچوں اور عورتوں کو نہایت بیدردی و بے ترحمی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جا رہا ہو، اور آپ کو لوٹا جا رہا ہو، مختصر یہ کہ آپ کے ذہنی، جسمانی، و روحانی پھیل جانے والے پودوں کو نوچا جا رہا ہو، ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن حکیم کیا فرماتا ہے:

(۱) ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو، جو تم سے جنگ کریں اور ظلم نہ کرو۔

(۲) تمھیں کیا ہو گیا، تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے (یعنی) ان کمزور مردوں، عورتوں، اور بچوں کی اعانت نہیں کرتے (جو مکہ میں محبوس ہیں)

---

(۱) لو منعونی عقالاً لقاتلتھم۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۰۰ مصر)

(۲) لقد قمنا بعد رسول اللہ مقاماً کدنا نعلک فیہ، لولا ان اللہ من علینا بابی بکر (فتوح البلدان صفحہ ۱۰۰ مصر)

اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے ہیں، کہ خدایا تو ہمیں اس شہر (یعنی مکہ) سے نکال، جس کے باشندے بڑے ہی ظالم اور جفاکار ہیں، اور کسی خدا کے بندے کو ہماری امداد کے لئے بھیج۔

(۳) کیا تمہیں بنی اسرائیل کی اس جماعت کی خبر نہیں..... جنہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا، کہ آپ ہم پر کسی بادشاہ کو مقرر کر دیجئے، تاکہ ہم اس کے ماتحت خدا کی راہ میں جنگ کریں،..... اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا، کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کیوں نہ کریں گے، حالانکہ ہم اپنے شہروں سے نکال دیئے گئے ہیں، اور اپنے بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔

پہلی آیت کی تشریح اب میں تینوں آیتوں کی ترتیب مختصراً تشریح کرتا ہوں، پہلی آیت کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے، کہ اس سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ پتہ چلتا ہے، کہ قتال فی سبیل اللہ اُن ہی کافروں کے ساتھ ہو سکتا ہے، جو ہمیں یعنی مسلمانوں کو کچل دینا چاہتے ہوں یا کچل رہے ہوں۔ اور یہ قتال اسوجہ سے قتال فی سبیل اللہ کیا جائیگا، کہ یہ جان ومال اور عزت وناموس کی حفاظت کی غرض سے ہوگا، وجہ استدلال یہ ہے، کہ عربی کا مشہور قاعدہ ہے، کہ اگر کوئی حکم کسی قید کے ساتھ مقید ہو، تو وہ قید اس حکم کی علت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ہم یوں کہیں "اکرمنا رجلاً عالماً" یعنے ہم نے ایک عالم شخص کی عزت کی تو عزت کرنے کی وجہ اس کا علم ہوگا، یا یوں کہئے کہ اس جملہ سے یہ سمجھ میں آجائیگا کہ اس شخص کی عزت اس کے علم کی وجہ سے کی گئی ہے، یہاں آیت میں بھی ایسا ہی ہے، خدا فرماتا ہے تم سے جو جنگ کریں تم اُن سے جنگ کرو، گویا جنگ کرنے کی وجہ انکا تمھارے ساتھ جنگ کرنا ہے، یہ نہیں کہ وہ کافر ہیں، اور کافر کے ساتھ ہر حال میں جنگ کرنا ضروری ہے، میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ آیت بکمال وضاحت میرے خیال کی تائید کر رہی ہے۔

دوسری آیت کی تشریح یہ آیت ان غریب مسلمانوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے، جو مکہ میں قید کر لئے گئے تھے، اور ہزاروں کوششوں کے بعد بھی مدینہ ہجرت کر کے نہیں آسکتے تھے، تاریخ کے اوراق بتلاتے ہیں، کہ ان بے کس اور بے بس مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین میں سخت سے سخت مظالم توڑے جاتے تھے، انھیں مارا جاتا تھا، بھوکا رکھا جاتا تھا، اور مجبور کیا جاتا تھا۔ کہ وہ اسلام ترک کر دیں، لیکن یہ اسلام کے سچے شیدائی ساری مصیبتیں جھیلتے تھے، اور ایک لمحہ کیلئے بھی، اسلام اور پیارا اسلام ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، خدا اپنے ان پیارے بندوں کے مصائب یاد دلاکر مدینہ میں بسنے والے مسلمانوں سے کہتا ہے، کہ تم اپنے ان کمزور بھائیوں کی اعانت کی غرض سے جنگ کرو، اور انھیں اہل مکہ کے وحشیانہ سخت ترین پنجوں سے چھڑا کر لاؤ، تمھاری یہ جنگ قتال فی سبیل اللہ

حاشیہ صفحہ عہ (۱) فقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔

(۲) وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، واجعل لنا من لدنک ولیا، واجعل لنا من لدنک نصیرا۔

(۳) المتر الی الملاء من بنی اسرائیل..... اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ..... قالوا وما لنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا۔

ہوگی، یعنی اللہ اس سے خوش ہوگا، اور تمھیں اگر تم وفات پاگئے، شہیدوں کا درجہ دیگا۔ اس آیت سے میں صرف اسقدر ثابت کرنا چاہتا ہوں، کہ کمزوروں اور تباہ حالوں کی حمایت واعانت کے لئے جنگ کرنا قتال فی سبیل اللہ ہے، یہ بالکل اتفاقی امر ہے، کہ مکہ میں جو لوگ ظلم اٹھا رہے تھے، وہ مسلمان تھے، اگر کہیں کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والوں پر ظلم کیا جاتا، اور مسلمان ان کی امداد کرسکتے، تو مجھے یقین ہے کہ یہی آیت نازل ہوتی، اور مسلمانوں کو کمزوروں کی حمایت واعانت کے لئے آمادہ کرتی، خدا اپنے بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے۔ وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ

یارب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

تیسری آیت کی تشریح

تیسری آیت پر حاصل تشریح چاہتی ہے، بنی اسرائیل پر ایک جفاکار بادشاہ جالوت ظلم توڑتا ہے، انہیں ان کے شہروں سے نکال دیتا ہے، بچوں کو ماں اور باپ سے جدا کر دیتا ہے، بنی اسرائیل جنگلوں اور بیابانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے، اور یہ اپنے نبی سے درخواست کرتے ہیں، کہ انہیں کسی بادشاہ کی زیر قیادت جالوت سے جنگ کرنے کی اجازت دی جائے، طالوت بادشاہ بنائے جاتے ہیں، جالوت اتنا جرار لشکر لیکر طالوت کے مقابل ہوتا ہے، آخر میں شکست کھاتا ہے اور داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا ہے، یہ واقعہ قریب قریب انہی الفاظ میں قرآن کریم میں مذکور ہے، میں نے قصہ کا ماحصل یا مختصر بیان کر دیا ہے، بعض لفاظ غیر ضروری ہونے کی وجہ سے ترک کر دیے ہیں، یہ آیت میں اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں، تو اس باب میں پچھلی دو آیتوں سے زیادہ صاف ہے، کہ اس میں بوضاحت ملکی اور خالص ملکی جنگ کو قتال فی سبیل اللہ کہا گیا ہے، غور کیجیے، بنی اسرائیل کے نبی فرماتے ہیں، "کیا اب تو نہیں ہوگا کہ تمھیں قتال کا حکم دیا جائے اور تم قتال نہ کرو، اپنی جگہ بزدل بنے بیٹھے رہو"۔ بنی اسرائیل جواب دیتے ہیں "یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں، حالانکہ ہم اپنے شہروں سے نکال دئے گئے ہیں، اور اپنے بچوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں"۔ گویا اللہ کے لیے جنگ کرنے کی وجہ ان کا اپنے شہروں سے نکالا جانا، اور بچوں سے جدا کیا جانا ہے۔ وذالک ما ینبغی۔

بحث کا خلاصہ

مضمون بہت طویل ہوگیا، اور ابھی مجھے اور چند چیزیں عرض کرنی ہیں، اس لئے میں اس مضمون کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں، ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت میں چند مفید اور ضروری چیزیں تحریر کروں گا، جو اس وقت مضمون طویل ہو جانے کی وجہ سے رہی جا رہی ہیں، بحث کا خلاصہ صرف اتنا ہے، کہ قتال فی سبیل کے معنی پُرامن کافروں سے محض اپنا مذہب منوانے کی غرض سے جنگ کرنا نہیں، بلکہ حق کی حمایت کی غرض سے جنگ کرنا ہے۔ میں تین آیتیں اپنے مقصد کی تائید میں پیش کر چکا ہوں، جن میں قتال فی سبیل اللہ مذکور ہے، اور حمایت حق کے معنی میں ہے، اعلاء کلمۃ اللہ یا تقویت دین کا تذکرہ تک نہیں، یہ سب کچھ ایک دماغ کا نتیجہ ہے اور حق کوش دماغ کا نتیجہ ہے ۰

نگاہ مرد خرد مند بر حقیقت کار قضیہ مدرسہ در ماندۂ اصول و فروع (نظیری)

سید شوکت علی سنبر واری

ستاروں کی روشنی
اور
قدرت کی اعجوبہ کاریاں

(۱)

اگر سائنس کے کارناموں کو خوردبینی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ ہر چیز میں روز افزوں پیچیدگی اور تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ پتھروں کو دیکھئے یا ستاروں کو، ذرات کو دیکھئے یا سالمات (Atoms) کو، انسانوں کو دیکھئے یا باریک خوردبینی حیوانات کو، ہر چیز میں نئی نئی قسمیں، اور نئے نئے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر سائنس کو علمی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہی کیفیت دکھائی دیتی ہے جو منظر اول سے قطعی جداگانہ اور مختلف ہے۔ ہر طرف عجیب و غریب قوانین قدرت جاری و ساری نظر آتے ہیں۔ اور جملہ قوانین میں اسقدر ہم آہنگی معلوم ہوتی ہے کہ کسی قسم کے تضاد و تباین کا امکان ہی نہیں

یہ رفتہ رفتہ منکشف ہونیوالا اتفاق و اتحاد اور یہ روز افزوں کھلنے والا توافق و تطابق سائنس کے کسی دوسرے شعبہ میں نظر نہیں آتا جسقدر کہ شعبۂ طبیعیات (Physics) میں نظر آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ سے پانچ چھ سو برس پیشتر حکماء یونان نے سائنس کے میدان میں قدم رکھا۔ اور مختلف قسم کے تجربے کرنا شروع کر دئیے کسی نے میکانیک (Mechanics) کی طرف توجہ کی تو کسی نے آواز کی جانب کسی نے حرارت کے متعلق نظریے قائم کئے تو کسی نے روشنی کے، کسی نے برقی قوت کی طرف خیال دوڑایا تو کسی نے مقناطیس کی طرف اول اول سائنس کے یہ تمام شعبے قطعی جداگانہ سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کو ملانے والی کوئی کڑی بظاہر دکھائی نہیں دیتی۔

آرشمیدس (Archimedes) نے قوانین میکانکی اور پانی میں اشیاء کے ابھرنے کی تفتیش کی۔ فیثاغورس (Pythagoras) نے علم الصوت (Sound) کی تحقیق و تدقیق کی اور یہ معلوم کیا کہ کسی تنے ہوئے ڈورے اور اس آواز میں کیا تعلق ہے جو بوقت اہتزاز پیدا ہوتی ہے۔ ہیرو (Hero) ساکن اسکندریہ نے علم الحرارت (Heat) کے بعض اسرار معلوم کئے۔ مسیح سے چھ سو برس قبل تھالیس (Thales) کو سکونیات برقیہ (Electrostatics) اور مقناطیسیت (Magnetism) کے کچھ حوادث معلوم تھے۔ عیسیٰ سے ساڑھے تین سو برس قبل ارسطو اور اس سے ۵۰۰ برس بعد اسکندریہ کے بطلیموس (Ptolemy) نے روشنی کے متعلق اپنے بعض مشاہدات لکھے لیکن انکی حقیقت اور آپس میں تعلقات ان کو معلوم نہ ہو سکے۔ اس بات کا سہرا تھالیس اور ہیرو کے سر رہا۔

اسطرح ماضی بعید میں علم کے چھ چشمے جاری ہوئے جو امتداد زمانہ کے ساتھ طول و عرض میں بڑھتے چلے گئے۔ لیکن زمانہ قدیم کے بڑے بڑے مفکرین کی الہامی آنکھیں بھی یہ بات نہ دیکھ سکیں کہ یہ چھ چشمے کسی دن ایک دریائے ذخار کے معاون ثابت ہونگے یعنی سب مل جل کر ایک عظیم الشان نہایت عمیق، نہایت وسیع اور نہایت عریض دریا بنائیں گے جسکا نام دریائے طاقت (Energy) ہے۔ ان میں سے دو چشموں کا اتصال غیر محسوس طور پر اس وقت ہوا جب رفتہ رفتہ یہ راز کھلا کہ آواز قطعی طور پر حوادث میکانکی میں داخل ہے۔ اور میکانکی ہی کے ذرائع سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی درحقیقت آواز نام ہے ذرات مادی کے دھڑکنے کا۔ اس طرح گویا یہ دو چشمے گلیلیو (Galileo) اور نیوٹن (Newton) کے زمانہ سے قبل ہی مل گئے تھے۔ ان دونوں عظیم الشان مفکرین نے علم پر جو احسانات کئے ہیں۔ ان کی وجہ سے سترہویں صدی میں اسقدر طغیانی پیدا ہوئی کہ وہ بالآخر ایک سیل رواں بنگیا۔

اسی اثنا میں بقیہ چشمے بھی عرض و طول میں بڑھتے بڑھتے دریا بنگئے۔ لیکن ہر دریا نے انیسویں صدی تک اپنی انفرادیت یا جداگانہ حیثیت قائم رکھی۔ لیکن جب کولامب (Coulomb) وولٹا (Volta) گوش (Gauss) اورسٹڈ (Oersted) ایمپیری (Ampere) اوہم (Ohm) اور فاراڈے (Faraday) نے حیرت انگیز انکشافات کئے تو جہاں تک برقی اور مقناطیسی قوتوں کا تعلق تھا، یہ سب دریا مل کر ایک عظیم الشان دریا بنگئے۔ یعنی "برقی و مقناطیسی طاقت کا دریا" (Electro Magnetic Energy) فاراڈے کے معاصرین کارنو (Carnot) اور جاول (Joule) طاقت میکانکی اور حرارت کا تعلق باہمی معلوم کرتے رہے۔ اس طرح سب دریا بہم ہو گئے اور میکانکی طاقت کا وہ عظیم الشان دریا اب تک بہتا چلا آیا۔ جس میں ہیمولٹز (Helmholtz) قلاسیوس (Clausius) کیلون (Kelvin) بولٹزمان (Boltzmann) گبس (Gibbs) اور پلینک (Planck) کے کارناموں نے مزید طغیانی پیدا کردی۔

اب سنئے کہ دریائے نور کا کیا ہوا۔ نور ہی وہ چیز ہی جو قدرت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اور نور ہی وہ چیز ہے جو آج تک حکما، اور علماء کے لئے مرکز اسرار بنا ہوا ہے۔ نور کا چشمہ بھی ترقی کرتے کرتے نیوٹن (Newton) اور ہائیجنس (Huygens) کے زمانہ حیات میں اچھا خاصہ دریا بنگیا تھا۔ اور جوں جوں فرانہوفر (Fraunhofer) فریزنل (Fresnel) فوکالٹ (Foucault) اور کرشہوف (Kirchhoff) کی طرف سے اس شعبہ علم میں انکشافات ہوتے گئے اس دریا کا پانی زیادہ زیادہ بڑھتا گیا۔ لیکن جب ۱۸۷۵ء کے قریب جیمس کلرک میکسویل کی طرف سے تحقیق و تدقیق عمل میں لائی گئی تو دریائے نور کا بھی برقی مقناطیسی طاقت کے دریائے اتصال ہو گیا۔ نور کی نسبت جو برقی و مقناطیسی نظریہ میکسویل نے قائم کیا۔ اس کی وجہ سے سائنسدانوں کی توجہ فوراً اس طرف منعطف ہو گئی کہ کوئی ایسا اصول اخراج طاقت (Radiation) تلاش کیا جائے جو روشنی سے ملتا جلتا ہو۔ مگر غیر مرئی ہو اور اس کی امواج کا طول بھی بہت زیادہ ہو۔ اسی سلسلہ میں سر اولیور لاج نے جو پرجوش جد و جہد دکھائی تو بہت سے علما اس تلاش میں مصروف ہو گئے لیکن اس میں کامیابی حاصل کرنے کا سہرا ہرٹز کے سر

رہا جس نے سب سے پہلے ۱۸۸۸ء میں "لاسلکی" امواج معلوم کیں۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امواج حرارت کا تعلق بھی ایک ہی قسم کی برقی مقناطیسی امواج یا اہتزازات سے ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ اس کی امواج کا طول ہرٹز کی معلوم کردہ امواج کے طول سے بہت کم ہے مگر اشعۂ مرئی کے تموج کے طول سے زیادہ ہے۔ اس طرح رونٹجن کی معلوم کردہ پُراسرار اشعہ "عکس ریز" (X Rays) بھی برقی و مقناطیسی امواج میں داخل ہوگئیں

الغرض اس طرح میکانکی طاقت کے دریائے بے پایاں کا پانی بھی برقی مقناطیسی طاقت کے دریا میں آملا۔ اور اس کے بعد طاقت اور مادہ کی نسبت وہ وہ جدید انکشافات ہوئے کہ اس دریا کے پانی میں بھی طغیانی آگئی۔ اور انیسویں صدی کا خاتمہ سر ہے۔ تبے طامس کے انکشاف برق پارہ (Electron) پر ہوا جو مادہ کا اقل ترین ذرہ معلوم ہے۔ ریڈالیشن (Radiation) کے عمل کی نسبت جو کام موسیو بکیریل اور موسیو و مادام کیوری نے جاری کیا تھا اس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور جب موجودہ صدی شروع ہوئی تو رودرفورڈ نے نظریۂ سالمات قائم کیا اور یہ راز منکشف کیا کہ جملہ عناصر مادی کی تکوین دو چیزوں سے ہوئی ہے جن میں سے ایک کا نام الکٹرون (برقپارہ Electron) اور دوسری کا نام "پروٹون" (Proton) ہے۔ رودرفورڈ کے تجربات پر بوہر (Bohr) کا نظریۂ سالمات قائم ہوا جس میں یہ بتایا گیا کہ سالمہ کے اندر کچھ ایسے کل پرزے ہیں جن سے بصورت اشعہ عکس ریز، نور یا کسی دوسری صورت میں برقی و مقناطیسی طاقت کا اخراج ہوتا ہے۔ اس نظریہ کا اصل الاصول یہ ہے کہ کائنات میں ایک عظیم شے موجود ہے جسے "طاقت" (Energy) کہتے ہیں اور یہی ایک چیز مختلف صورتوں میں اپنے جلوے دکھا رہی ہے۔ اسی خیال کو اپنے طور پر لورینٹز (Lorentz) اور اینسٹین (Einstein) نے لیا۔ اور انھوں نے ظاہر کردیا کہ مادہ اور طاقت میں باہمی تعلق کیا ہے۔ خود مادہ یا اس کے اجزائے مفردہ یعنی "الیکٹرون" اور "پروٹون" کائنات کی بنیادی چیز یعنی طاقت (Energy) کے عظیم الشان مرکز ہیں۔ ابھی تک یہ راز نہیں کھلا کہ اس طاقت پر انسان قابو پاسکتا ہے یا نہیں کیونکہ طاقت کو ایک مرکز پر قائم کرنے کا راز جس کے ذریعہ سے مادہ وجود میں آتا ہے اور مادہ کے حدوث کا راز جس کے ذریعہ سے خلائے بسیط میں طاقت منتشر ہوتی ہے ابھی تک قبضۂ قدرت میں نہیں ہے

(۲)

تکوین کائنات کے سنگ بنیاد یعنی طاقت یا "شکتی" کے حوادث پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کے جلوے مختلف صورتوں میں ہر طرف نظر آتے ہیں۔ کہیں وہ مادہ کے اندر جاری و ساری ہے۔ کبھی وہ علیحدہ طور پر نور سے نار بنجاتی ہے۔ اور کہیں وہ نار سے قوت میکانکی بنجاتی ہے۔ کبھی وہ برقی طاقت کی صورت میں نظر آتی ہے اور کبھی کیمیاوی طاقت کی شکل میں جلوہ دکھاتی ہے۔ ان جملہ مشاہدات کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کی یہ تمام طاقت یا شکتی کہاں سے آئی ہے؟ زمین جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں، ہوا جو ہم آلات تنفس کے ذریعہ سے اپنے اندر لیتے ہیں، اور خود ہمارے جسم اسی طاقت یا شکتی کے عظیم الشان مرکز ہیں، پھر یہ شکتی کہاں سے آئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "ستاروں کی خاک" سے۔

خود ہماری زمین کسی زمانہ میں آفتاب کے سطحی مادہ میں شامل تھی - اور ہمارا سورج کروڑوں بلکہ اربوں ستاروں میں ایک ستارہ ہے جو نہ تو سب سے بڑا ہے نہ سب سے چھوٹا - نہ سب سے زیادہ گرم ہے نہ سب سے زیادہ سرد - الغرض سطح آفتاب سے کچھ مادہ الگ ہوا اور اس سے ہمارا سیارہ یعنی زمین بن گئی اور جہاں تک انسان کے نظام جسمانی کا تعلق ہے وہ خاک سے پیدا ہوا اور خاک مل جائیگا - اس لئے وہ بھی اسی مادہ سے پیدا ہوا جس سے وہ بڑا ستارہ یعنی سورج بنا ہوا ہے

جب ہم یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ زمین کی غیر محدود طاقت یا شکتی کہاں سے پیدا ہوئی - تو ہم جانتے ہیں کہ اسکی کشش ثقل اور کچھ مقدار حرارت کی خود اس کے اندر موجود ہے - لیکن وہ طاقت جو زمین کی سطح کا ٹمپریچر ایک معقول درجہ حرارت تک قائم رکھتی ہے - اور وہ طاقت جو سطح زمین پر موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات بلکہ خود حضرت انسان کا وجود ممکن بنا دیتی ہے وہ باہر سے آتی ہے - یہ تمام طاقت زمین سورج اور ستاروں کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے - اور چونکہ سورج خود ایک بڑا ستارہ ہے اس لئے یہ کہنا کافی ہوگا - کہ اس تمام عظیم طاقت کا منبع و مخرج وہی ہے - اگر علم النجوم کو ستاروں کا علم سمجھا جائے تو علم طبیعیات النجوم کو ستاروں کے نور کا علم سمجھنا چاہئے - پہلا علم قدیم ترین اور موخر الذکر جدید ترین ہے - لیکن باوجود نوزائیدہ ہونے کے بھی اس علم نے چند روز کے اندر ان کے علم و عرفان کو چار چاند لگا دیئے ہیں - کیونکہ نور النجوم کی طاقت کے مسئلہ پر جسقدر غور کیا جاتا ہے اسیقدر حیرت انگیز جدید انکشافات ہو رہے ہیں

اس میں شک نہیں کہ زمانہ قدیم کے ماہرین فلکیات نے حیرت انگیز کارنامے انجام دئیے تھے - انھوں نے آسمانوں کا نقشہ بنایا - انھوں نے یہ معلوم کر لیا کہ آسمان کے ستارے ہمارے لئے قدرتی گھڑی کا کام دیتے ہیں - انھوں نے یہ معلوم کیا کہ ستاروں کے ذریعہ سے ہمکو صحیح سمت معلوم ہو سکتا ہے - انھوں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ سبع سیارگاں یعنی سورج چاند اور پانچ بڑے دیگر سیارے جو ہم کو خالی آنکھ کے ذریعہ سے دکھائی دیتے ہیں اپنے اپنے مقررہ راستوں پر پوری پوری صحت کے ساتھ گردش کرتے ہیں - یہ سب باتیں ان کو معلوم تھیں اگرچہ وہ ان کے اسباب و علل نہیں بتا سکتے تھے - اور نہ ان کو انکی طاقت کی حقیقت پوری طرح معلوم تھی - انکی معلومات صرف ظاہری مشاہدات تک محدود تھی -

ارسطو نے بھی اس نظریہ کی تائید و حمایت کی تھی کہ زمین کی تمام چیزیں اربع عناصر یعنی آب و آتش، باد و خاک کا مجموعہ ہیں - اور اجرام فلکی کی ترکیب ایک پانچویں عنصر سے ہوئی ہے جسمیں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہیں ہو سکتا - اور یہی باعث ہے کہ زمین کے خلاف تمام اجرام فلکی ہمیشہ غیر متبدل رہتے ہیں - اس نظریہ میں بھی ستاروں کی روشنی کی طاقت کا کہیں پتہ نہیں - کیونکہ نظریہ طاقت کی رو سے ہر اُس چیز میں جس سے طاقت کا اخراج ہوتا ہو تغیر و تبدل کا ہونا لازمی ہے - الغرض سب سے بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ عوام کے اذہان سے ارسطو کا مغالطہ انگیز نظریہ نکال دیا جائے - اس کے بعد علم طبیعیات النجوم پیدا ہو سکتا ہے - سترہ سو برس تک دنیا کو ارسطو کے نظریہ سے نجات نہ ملی - لیکن بالآخر گلیلیو نے ان زنجیروں کو توڑا - اس نے اپنی عظیم الشان دوربین کا منہ سورج کی طرف پھیرا اور معلوم کر لیا کہ اس میں تغیر و تبدل کی شہادتیں کثرت سے موجود ہیں - یعنی اس کی سطح کی درخشانی میں بھی تغیر ہوتا ہے، اس میں سیاہ دھبے بھی موجود ہیں - الغرض اس سے اور دیگر شہادتوں کے ذریعہ سے گلیلیو نے ثابت کر دیا کہ تمام کائنات قانون تغیر و تبدل کے ماتحت ہے -

اس کے بعد ستاروں کی روشنی کا مطالعہ کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی - لیکن ابھی تک روشنی کے تجزیہ کرنے کا کوئی طریقہ معلوم

نہ تھا۔ مگر جب سر آئزک نیوٹن مثلثی شیشہ کے ذریعہ سے روشنی کی شعاع کا اس کے مختلف اجزا میں تجزیہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو یہ کمی بھی پوری ہو گئی۔ اگر ستارہ کی روشنی کی ایک شعاع کسی مثلثی شیشہ سے گذاری جائے تو وہ ایک شعاع کی صورت میں خارج نہیں ہوتی بلکہ بہت سی مختلف اللون شعاعوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور مختلف طاقتوں کے رنگ علیحدہ علیحدہ بالترتیب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح ہر رنگ کی شعاع کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ کیا جا سکتا ہے

اس طرح علم طبیعات النجوم کا راستہ صاف ہو گیا۔ اور جب اس سلسلہ میں فرآنہوفر اور کرشاف نے تحقیق و تدقیق کی اور ستاروں کی روشنی کے طیف (spectrum) کا بغور مطالعہ کیا تو یہ جدید علم وجود میں آگیا

(۳)

اگر ستارہ کی روشنی کو دوربین میں ایک اسپکٹرا سکوپ (موشور) (spectroscope) لگا کر دیکھا جاتا ہے تو رنگین روشنی کی ایک قلم دکھائی دیتی ہے۔ جس کی حالت قوس قزح جیسی ہوتی ہے مگر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر یہ رنگین روشنی سیاہ خطوط سے منقطع ہوتی ہے۔ ستاروں کی روشنی کے طیف میں جو سیاہ خطوط ہوتے ہیں وہ گویا ہیروغلیفی علامتیں ہیں جنکے ذریعہ سے ہم ان ستاروں کے راز معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان کے متعلق طول امواج کی جو پیمائش ہے وہ گویا ان ہیروغلیفی علامات کی کلید ہیں۔

علم طبیعیات کا ہر ماہر بخوبی واقف ہے کہ ہر عنصر کے سالمات کی شناخت انتشار حرارت و نور (radiation) سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً جب کسی ستارہ کی روشنی کے طیف میں ہائیڈروجن کے سالمات کا طول امواج پایا جائیگا۔ تو ہم سمجھیں گے کہ وہاں ہائیڈروجن موجود ہے۔ اسی طرح کاربن۔ نائٹروجن۔ کیلسیم لوہے وغیرہ کا وجود ستاروں میں ملتا ہے

ستاروں کی روشنی سے ایک بیش قیمت معلومات اس بارہ میں بھی حاصل ہوتی ہے کہ ستارہ کی گردش کیسی ہے۔ جس طرح قریب آنیوالے انجن کی سیٹی کسیقدر تیز اور دور جانیوالے کی کسی قدر مدھم ہوتی ہے اسی طرح جو ستارہ طلوع ہوتا ہے اسکی روشنی کے طیف میں سیاہ خطوط بنفشی رنگ کی شعاعوں کے قریب اور مائل بہ غروب ستارہ کی روشنی کے طیف میں سیاہ خطوط سرخ روشنی کے قریب ہوتے ہیں

(۴)

ستاروں میں طاقت کہاں سے آتی ہے۔ اس سوال کے مختلف جوابات دئے گئے اور وہ سب ناکافی اور غیر طمانیت بخش ثابت ہوئے۔ کیلون کا قول تھا کہ ستارہ بتدریج سکڑتا ہے۔ اس لئے اس کے اندر سے یہ قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ انتشار نور و حرارت کے ذریعہ سے یہ طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اب یہ بتانا چاہئے کہ مختلف عناصر کی ترکیب باہمی کی وجہ سے یہ طاقت پیدا ہوتی ہے بعض ستارہ کو ایک جلتا ہوا کڑھاؤ سمجھنا چاہئے۔ جس میں ہائیڈروجن کے سالمات ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ اور ان کے باہم ملنے سے اور زیادہ پیچیدہ عناصر یکے بعد دیگرے وجود میں آرہے ہیں جن کا سالماتی وزن بڑھ رہا ہے۔ اور اسطرح مقناطیسی طاقت آزاد ہوتی جاتی ہے۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور حیرت انگیز نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ کسی ستارہ کے اندر جب کوئی مادہ دفعتہً فنا ہوتا ہے، تو اس سے یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب کسی ستارہ کے اندر الکٹرون اور پروٹون کا باہمی تصادم ہوتا ہے تو اس سے ایک دوسرے کی طاقت آزاد ہو جاتی

ہے۔ اس طرح وہ دونوں خود مادی صورت سے معدوم ہو کر طاقت کی صورت میں فضا کے اندر منتشر ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے سورج کو لیجئے۔ سورج سے اسقدر طاقت خارج ہوتی ہے۔ کہ اگر اس کے جرم سے چالیس لاکھ ٹن مادہ فی سکنڈ فنا کیا جائے تو اسقدر طاقت پیدا ہو۔ اور سورج اسقدر طاقت کروڑوں برس سے ہر وقت صرف کر رہا ہے۔ اسی طرح ستاروں کی یہ طاقت بہت زبردست ہے مگر اس کی بھی کوئی حد ہے۔ اس لئے ایک طبیعی کی اصطلاح میں یہ سلسلہ "انحطاط و استقرار طاقت" کہلاتا ہے۔ اور ایک فلسفی کے نزدیک یہی چیز "تضیع مادیات" اور استعمار روحانیت ہے۔ کائنات میں ستاروں کے نور کی طاقت سے الکٹرون اور پروٹون بن رہے ہیں۔ پھر یہ دونوں چیزیں باہم مل کر سالمات، اور سالمات باہم مل کر سدیم (Nebula) بناتے ہیں اور سدیم میں پھر انجماد پیدا ہو کر ستارے وجود میں آتے ہیں۔ اور پھر ان ستاروں کا مادہ فنا ہو کر طاقت بنجاتا ہے اور اسی طرح قدرت کی عظیم طاقتوں کا ایک وسیع نظام قائم ہے۔

(۵)

نور نجوم کے مطالعہ سے ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اگرچہ آفتاب، نظام شمسی کا مرکز ہے مگر وہ کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ ہمارا سورج لاکھوں کروڑوں ثوابت میں سے ایک ہے۔ اور ان ستاروں سے بھی آگے ذرات نور کی سیکڑوں بیچدار کہکشائیں موجود ہیں۔ اور یہ ہر کہکشاں لاکھوں، کروڑوں ستاروں کا جھرمٹ ہے۔

اب اس عظیم الشان کائنات میں انسان اپنی حالت پر غور کرے، کہ وہ اس وسیع اور لاانتہا کائنات کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتا ہے۔ قدرت نے خلائے بسیط میں کروڑوں ستارے اس طرح بکھیر دئے ہیں جیسے کوئی کسان اپنے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے۔ لیکن یہ انتشار نجوم فضول اور رائیگاں نہیں ہے۔ قدرت کی لغت میں لفظ "فضول" معدوم ہے، کائنات کا ہر ستارہ خلاق ازل کی عظیم الشان قدرت کی ایک روشن نشانی ہے۔ جو ہر وقت ہم کو خدائے قدوس کے نہ سمجھ میں آنے والی قدرت و حکمت اور عظمت و جلال کا یقین دلاتی رہتی ہے۔

نیاز

مولانا نیاز کی تین اور تصانیف

جو آخیر اکتوبر تک شائع ہو جائیں گی۔

چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کے ساتھ
علاوہ محصول ۱۲ار

حرکت کے کرشمے
علاوہ محصول ۸ر

مادیین کا مذہب
علاوہ محصول ۸ر

تینوں معہ محصول ایک روپیہ چار آنے میں

مینیجر نگار

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ کے ماہرین جو خدمت تاریخ کی انجام دے رہے ہیں، وہ اسقدر اہم ہے کہ شاید ہی اس سے زیادہ عظمت کسی اور چیز کو دی جاسکتی ہے۔

اب سے چند سال قبل کون کہہ سکتا تھا کہ بابل اور ہندوستان کی تہذیب عہد قدیم میں ایک تھی یا کون یہ دعوے کرسکتا تھا کہ قدیم ہند کی آبادی کا وہ حصہ جو دراوِڑ (Indian [illegible]) کہلاتا ہے براہ بلوچستان بابل ہی کی طرف سے آیا تھا۔ لیکن اب ارض بابل اور ارض ہند کے آثار سے جو نقوش برآمد ہوئے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ مسیح سے ۶۰۰۰ سال قبل ان کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ذیل کے نقشے سے آپ کو ان کے اتحاد کا کافی علم ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کے لئے تقریباً ایک ہی رسم خط دونوں جگہ جاری تھا۔

شے	تلفظ	تاریخ استعمال	بابلی نقش	ہندی نقش
مچھلی	خا	۲۸۰۰ سال قبل مسیح	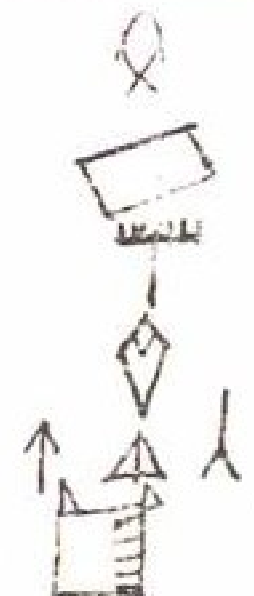	
۳۶۰ (عدد)	سار	۲۹۰۰ "		
بڑا	غال	۳۰۰۰ "		
دل	ساغ	۳۰۰۰ "		
مردہ	یاد	۲۸۰۰۰ "		
طرف	کو۔	۳۰۰۰ "		
ہاتھ	صو	۲۸۰۰ "		
ڈھکنا	اوص	۲۸۰۰ "		
گھر	ای	۳۰۰۰		

صرف چند جلدیں باقی ہیں

لالۂ رُخ ۱۲ اور نقاب اُٹھ جانے کے بعد ۸ دونوں معہ محصول ۲۰ میں۔

منیجر نگار

عورت اہلِ فارس کے نزدیک

قدیم ایرانیوں میں عورت کی تہذیب و تربیت کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ اور اسی لئے وہ اپنی عفت و پاکیزگی اور بلندیٔ اخلاق کے لحاظ سے بڑے مرتبہ کی چیز سمجھی جاتی تھی ۔ صحیفۂ اوستا اور شریعت زردشت میں عورت کے حفظ ناموس کی بڑی تاکید کی گئی ہے ، چنانچہ اسی تعلیم وہدایت کا نتیجہ تھا کہ ایران کی بعض عورتوں نے سیاست و حکومت کے خدمات کو حد درجہ خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ہمای بنت بہمن کے سی سالہ دَورِ حکومت اور خسرو پرویز کی لڑکیوں پوراندخت اور آذرمیدخت کی کامیاب حکمرانی سے کون واقف نہیں ہے۔

قدیم ایرانیوں میں عورت کے حسنِ ظاہری اور حسنِ باطن دونوں کے لئے کچھ اصول علم فراست و قیافہ کے لحاظ سے مقرر تھے۔ اور وہ نہایت احتیاط سے ان اصول پر ایک عورت کے حسن و اخلاق کو جانچتے تھے۔ چنانچہ شیریں (فرہاد کی محبوبہ) کے متعلق مشہور ہے کہ ۴۰ صفاتِ جمال میں سے ۳۹ صفات اس میں پائی جاتی تھیں اور حسن و اخلاق و وفا شعاری کے لحاظ سے بھی وہ اسقدر بلند مرتبت تھی کہ جب اس کا شوہر خسرو پرویز قتل کیا گیا اور شیرویہ فرمانروا ہوا تو اس نے خودکشی کر لی اور شیرویہ کے ساتھ رشتۂ ازدواج کو منظور نہ کیا۔

ایرانی عورتیں اپنی عفت و عصمت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتی تھیں۔ چنانچہ عہد عباسیہ میں جب بغداد کے بازار میں مختلف ملکوں کی کنیزیں لائی جاتی تھیں تو ایران کی کنیزوں کی تعریف میں جو بات کہی جاتی تھی وہ ان کی عفت و عصمت اور حفظ شرف و ناموس سے متعلق ہوتی تھی۔

جب ملوک فارس کسی بیوی کا انتخاب کرتے تھے تو خواجہ سرا بھیجے جاتے تھے کہ وہ خود دیکھ کر معلوم کریں کہ اس میں تمام شرائط پائی جاتی ہیں یا نہیں، جب کوئی لڑکی پسند کر لی جاتی تھی تو اسے قصرِ شاہی میں لے آتے تھے اور وہاں اس کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ تا آنکہ وہ بادشاہ کی بیوی بننے کی اہل ہو جائے۔ یہ طریق کار کسریٰ نوشیرواں کے عہد تک جاری رہا۔

—— ایرانیوں نے ۱۶ سال کی عمر سے لے کر ۲۰ سال تک۔ عورت پر جو تنقید کی ہے وہ خالی از لطف نہیں۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ چودہ سال کی عمر میں ایک عورت "اس برگ پوش گلاب کی طرح ہے نہ جس کا رنگ ابھی ظاہر ہوا نہ خوشبو۔"

پندرہ سال کی عورت ان کے نزدیک "سرو کا درخت ہے جسے نسیم کا ہلکا جھونکا بھی جھکا دیتا ہے۔"

سولہ سال کی عورت "ایک چشمہ ہے جو تنکوں اور پتیوں سے ڈھکا ہوا ہے لیکن اس کے نیچے شفاف پانی لہریں لے رہا ہے"

سترہ سال —— "ماہ کامل ہے عشوہ و ناز سے آراستہ"

۱۸۔ سال —— "دوپہر کا چڑھتا ہوا آفتاب ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے"

۱۹ سال —— "پختہ رنگین سیب ہے کہ اگر کوئی اس کا توڑنے والا نہیں ہے تو زمین پر گر کر تباہ ہو جائے گا"

۲۰سال ——— "آفتاب ہے مائل بہ انحطاط"

۲۱سال ——— "سایہ دار صنوبر کا درخت ہے جس کے سایہ میں لوگ راحت پاتے ہیں"

۲۲سال ——— "ایک رباب ہے جس کے تاروں سے نغمے نکل کر لوگوں کو مست کر دیتے ہیں"

۲۳سال ——— "ہرنی ہے جسے صیادوں نے گھیر رکھا ہے"

۲۴سال ——— "ایک قصیدہ ہے کہ کسی شاعر نے ایسا قصیدہ نہ کہا۔ اور جو مطلع سے مقطع تک بالکل ترِیس گلوبند معلوم ہوتا ہے"

۲۵سال ——— "نسیم سحر ہے جو بدمستوں کو جگا دیتی ہے"

۲۶سال ——— "گلاب کا پھول ہے جو پوری طرح کھل چکا ہے اور دیکھنے والا چاہتا ہے کہ اس کو توڑ کر اپنے سر و سینہ سے لگا لے"

۲۷سال ——— "بدر کامل ہے جو گھٹنے والا ہے"

۲۸سال ——— "ایک باغ ہے جس میں خزاں کے آثار شروع ہو گئے ہیں"

۲۹سال ——— "ایک اچھی آواز ہے جو تاریک رات میں دُور سے سنائی دے اور کانوں کو بھلی معلوم ہو"

۳۰سال ——— "قدیم روایت ہے جس کا کسی وقت بڑا شہرہ ہو چکا ہے"

۳۱سال ——— "معطر پھولوں اور پختہ پھلوں سے لدا ہوا درخت ہے لیکن اخیر موسم کا"

۳۲سال ——— "شمع ہے جو اپنی عمر ختم کر چکی ہے اور جس کی روشنی بھی مضمحل ہو چلی ہے"

۳۳سال ——— "ایک کتاب ہے جس کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور اوراق منتشر ہیں"

۳۴سال ——— "ایک مینا ہے جو کسی وقت عطر سے لبریز تھا لیکن اب اس میں صرف آثار خوشبو کے باقی رہ گئے ہیں"

۳۵سال ——— "ایک ضعیف سی روشنی ہے جو غروب شمس کے بعد ہی نظر آ سکتی ہے"

۳۶سال ——— "ستارۂ صباحی ہے جو جلد غروب ہونے والا ہے"

۳۷سال ——— "کسی مقفل مکان یا حمام کے اندر کی آواز ہے"

۳۸سال ——— "گرم پانی کا پیالہ ہے جو گرمی میں کسی پیاسے کو دیا جائے"

۳۹سال ——— "پُرانا قصر ہے جسمیں سوائے مٹے ہوئے نقوش کے اور کچھ باقی نہیں"

۴۰سال ——— "ایک ایسا حمام ہے جس میں ہوا کے لئے کوئی منفذ نہیں اور اگر انسان اس کے اندر آ جائے تو دم گھٹ کر مر جائے"

نیاز

باب الاستفسار

ظالم نیرو

(جناب عبدالغفار صاحب - حصار)

تاریخ روما میں شاہ نیرو بڑا ظالم و خونخوار بادشاہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ مختصراً اس کے حالات و واقعات مظالم پر روشنی ڈالیں،

(نگار) اس میں کلام نہیں کہ نیرو فطرتاً نہایت ظلم پسند شخص تھا اور ایک عیش پرست، خود غرض اور سفاک بادشاہ جو کچھ کر سکتا ہے اس نے سب کیا، لیکن اس کے حکایات مظالم کو زیادہ ابھارنے والی چیز اس کی مخالفت مسیحیت تھی۔

یہ شخص وفات مسیح کے ۳۷ سال بعد پیدا ہوا۔ جب اس کی ماں نے شاہ کلاڈیس سے شادی کر لی تو نیرو کو اس نے متبنیٰ کر لیا اور جب ۵۴ء میں کلاڈیس مرا، تو یہ تخت نشین ہوا اور کلاڈیس کا حقیقی بیٹا برٹانکس جو پہلی بیوی سے تھا محروم رہا۔ اول اول بعض مشیروں کی وجہ سے سلطنت کا نظم و نسق معقول طور پر چلتا رہا لیکن بعد کو اس کی فطری برائیاں ابھر آئیں اور اس نے عیاشی اسراف اور ستم رانی کی پوری داد دی۔ اس نے نہ صرف اپنے بھائی اور سلطنت کے حقیقی دعویدار برٹانکس کو قتل کیا بلکہ اپنی ایک محبوبہ کے خوش کرنے کے لئے اپنی ماں اور منکوحہ بیوی دونوں کو قتل کرا دیا۔ اس نے پیروان مسیح کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا۔ اور کوئی دقیقہ مسیحیت کے محو کرنے کے لئے اس نے اٹھا نہیں رکھا۔ اس کی بیرحمی اور سفاکی کی بڑی مشہور مثال وہ ہے کہ ٹھیک اس وقت جب کہ شہر روما کے دو تہائی حصہ سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے، وہ اپنے قصر میں دور سے بیٹھا ہوا اس کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اشعار گنگنا رہا تھا جو شہر ٹرائی کے جلنے کے متعلق ہومر نے لکھے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بے مثل ادیب اور فنون لطیفہ کا بڑا ماہر جانتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ قدرت کی طرف سے اس کا اچھا ذوق لیکر آیا تھا۔ چنانچہ جب ۶۸ء میں اس کے خلاف بغاوت

ہوئی اور اس نے خودکشی کی تو اس کے آخری الفاظ یہ تھے کہ

"آج کتنا زبردست صاحبِ فن دنیا سے اُٹھ رہا ہے۔"

اس کے مظالم کی نوعیت کا اندازہ ذیل کے ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے:-

نیرون (شہنشاہ روما) پورے ملوکانہ جاہ و حشم کے ساتھ اپنی گاڑی پر سوار جا رہا ہے، غلاموں کی ایک جماعت اس کے گرد سر جھکائے ہوئے ساتھ ساتھ ہے اور دربار کے امرا صف در صف دست بستہ جلو میں چل رہے ہیں۔ ناگاہ راستہ، ایک شخص نظر آیا جو اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے ایسا مکروہ تھا کہ نیرون کی نگاہ سے کبھی ایسا مجسمہ بدصورتی کا نہ گزرا تھا۔

نیرون نے گاڑی روک دی اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس شخص کو سامنے لایا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی اور جب وہ بدشکل، پستہ قامت، مکروہ صورت انسان حضور میں آیا تو نیرون نے پوچھا ——— "تیرا کیا نام ہے" ——— اس نے جواب دیا "مجھے مرکوس۔ اسمبا کہتے ہیں" ———

نیرون۔ "تو اے مرکوس اسمبا، کل جلسہ کے بعد، میرے محل میں حاضر ہو" مرکوس نے سر جھکا کر تعمیل فرمان کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔

نیرون اپنے قصر میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کا نہایت ہی محبوب و مقرب امیر اسکستوس سامنے مؤدب ایستادہ ہے۔

نیرون ——— "تیری جمیل لڑکی کلودیا کا کیا حال ہے؟"

اسکستوس نے نیرون کے منہ سے اپنی لڑکی کا نام سنا تو اس کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیکر عرض کیا۔ کہ "شہنشاہ کے جاہ و اقبال سے وہ اچھی حالت میں ہے۔"

نیرون نے کہا "اچھا کل جلسہ کے بعد اس کو میرے پاس بھیجدو" ——— اس کی آنکھوں سے جہنم کے شرارے نکل رہے ہیں۔

یہ سننے کے بعد اسکستوس پر جو گزر گئی اس کا اندازہ مشکل ہے، خوف و اضطراب سے اس کا برا حال تھا۔ ساری رات اس نے اسی درد و کرب میں بسر کر دی اور مطلق اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ بادشاہ نے ٹھیک اسی وقت جبکہ وہ بدصورت انسان طلب کیا گیا تھا اس کی لڑکی کو کیوں بلایا۔

دوسرے دن وقت معینہ پر اسکستوس اپنی بیٹی کو لیکر قصر شاہی پہونچا۔ کلودیا کے حسن و جمال اور تہذیب و شائستگی کے متعلق مشہور تھا کہ تمام مملکت روما میں اس کا نظیر و مثیل نہ تھا۔ قصر شاہی میں آنے کا یہ بالکل پہلا موقعہ تھا اور وہ خود بھی فرطِ حیا سے عرق عرق ہوئی جا رہی تھی۔

نیرون اپنے امرا و ارکین سلطنت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ کلودیا داخل ہوئی، نیرون نے اسے غور سے دیکھا اور بولا کہ "اے لڑکی اس وقت تک میں نے تیرے حسن کا صرف ذکر ہی سنا تھا لیکن میں آج اُسے آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، حقیقت یہ ہے کہ تو بہت حسین ہے

اور تیری نگاہیں ضیاءِ سحر سے زیادہ جمیل و روشن ہیں،،

اس کے بعد وہ اُس کے باپ سے مخاطب ہو کر بولا "اے سردار تیری لڑکی کی شادی کا وقت آگیا ہے اور چونکہ میں اپنی تمام رعایا کے لئے باپ کی سی حیثیت رکھتا ہوں اس لئے مجھے اختیار ہے کہ اس کے لئے شوہر کا انتخاب کروں،،

—— یہ کہکر اس نے اشارہ کیا اور دروازہ سے وہی بدصورت، پستہ قامت مرکوس نکلا جو بادشاہ کو راستہ میں ملا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر سارا دربار دہشت زدہ ہو گیا۔ نیرون فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور بولا "سنو، بادشاہ کا اولین فرض عدل کرنا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ میں حسن و جمال میں بھی سب کا حصّہ برابر نہ قرار دوں۔ اور ایک جمیل ترین عورت کو قبیح ترین مرد کے ساتھ وابستہ کرکے آیندہ نسل کو معتدل شکل و صورت کا نہ دیکھوں،،

مرکوس یہ سنکر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور بولا کہ "اے آقا، میں اس نعمت کا ہرگز مستحق نہیں ہوں،،

نیرون نے غضبناک ہو کر کہا "کوئی شخص میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ دو ہفتہ کے اندر اگر تم دونوں کا نکاح نہ ہو گیا تو تمھاری اور اس کی دونوں کی خیر نہیں،، چنانچہ ان دونوں کو مجبوراً نکاح کرنا پڑا۔ اور نیرون کا یہ جذبہ ستم کہ وہ ایک جمیل عورت کو قبیح مرد کے پہلو میں زندگی سے بیزار دیکھے، پورا ہو کر رہا۔

مہاتما گاندھی کس فلسفہ کے متبع ہیں۔

(جناب محمد اصغر حسین خاں صاحب ۔ بروچ)

مہاتما گاندھی نے یہ تو بار ہا ذکر کیا کہ وہ (Optimist incurable) ہیں یعنی مایوسی ان کو کبھی لاحق نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ اُمید و کامیابی کے روشن پہلو کو دیکھتے ہیں، لیکن اس سے صرف انکی فطری شگفتگی ظاہر ہوتی ہے نہ کہ ان کی عملی زندگی کا فلسفہ جو غالباً اس کے منافی ہے۔ اس لئے اگر زحمت نہ ہو تو مطلع فرمائیے کہ ان کی موجودہ سیاسی جد و جہد کس فلسفہ کی تحت میں رکھ سکتے ہیں۔

(نگار) سوال نہایت دلچسپ ہے گو اہم نہیں۔ دلچسپ اس لئے کہ نظریات (Theories) کی دنیا میں عقلی و خیالی گفتگو جب کہ انسان کو اپنی کرسی چھوڑنے کی بھی زحمت گوارا کرنا نہیں پڑتی ہمیشہ دلچسپ ہوا کرتی ہے اور غیر اہم اس لئے کہ وقت کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ مہاتما گاندھی کے فلسفہ پر گفتگو کی جائے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک بار آمادہ ہو کر اس پر عمل شروع کر دیا جائے بغیر اس خیال کے کہ وہ کوئی فلسفہ ہے یا نہیں اور ہے تو کیا اور کس طرح؟

اگر آپ خود گاندھی جی سے یہ سوال کرتے تو غالباً وہ اس کا جواب یہی دیتے کہ "عمل کا کوئی فلسفہ سوائے اس کے نہیں کہ عمل کیا جائے،، لیکن چونکہ مجھے بھی باتیں ہی بنانا زیادہ آتا ہے اس لئے میں آپ کو یہ جواب نہ دوں گا۔ اور غور کروں گا کہ گاندھی جی کی اس جد و جہد کو کھینچ تان کر کس فلسفہ سے ملایا جا سکتا ہے۔ جب سے انسان روئے زمین پر آیا ہے اسی وقت سے حسب استعداد وہ کوشش کر رہا ہے کہ دنیا میں امن و سعادت کے ذرائع دریافت کرے، لیکن فرق یہ ہے کہ اول اول انسان جب جاہل تھا، وحشی و ناتراشیدہ تھا

اُس کے اس خیال نے کوئی علمی شان پیدا نہیں کی تھی۔ اور بعد کو جب آہستہ آہستہ انسانی زندگی کے تمام مظاہر علم و فلسفہ سے متعلق کئے جانے لگے تو اس خیال نے بھی علمی صورت اختیار کی اور ماہرین علم و فلسفہ غور کرنے لگے کہ امن و سعادت کی ماہیت کیا ہے اور اس کے حصول کی کیا کیفیت ہے۔

اس جستجو میں سب سے پہلے انھیں طبیعت انسانی پر غور کرنا پڑا کہ اس کا کیا اقتضار ہے اور وجود انسانی کی غایت کیا ہے۔ اور اس طرح گویا علم النفس وجود میں آیا اور اسی پر تمام فلاسفہ نے اپنی تحقیق کی بنیاد قائم کی۔

اچھا اب غور کیجئے کہ طبیعت انسانی کیا ہے۔ زندگی کی غایت کیا ہے، انسان دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کیوں امتیاز رکھتا ہے؟ ان سوالات کے جواب مختلف لوگوں نے مختلف دئیے ہیں۔ ابیکورس اور اس کے متبعین کہتے ہیں کہ "انسان بھی دوسری حیوانات کی طرح ہے کہ جبتک لذت جسمانی کی خواہش اسے مجبور نہ کرے وہ حرکت و عمل کو پسند نہیں کرتا اور عقل انسانی صرف ایک وسیلہ ہے جس کے مدد سے ہم اس تلذذ کو متعین کرتے ہیں۔ اور لذت و اذیت کے درمیان خط فاصل کھینچتے ہیں"

اس فلسفہ کے متبعین کا خیال ہے کہ سعادت نام ہے اس لذت کا جو کم سے کم حرکت و عمل کے بعد حصول غذا سے متعلق ہوتی ہے۔ کھانے کی لذت کو انھوں نے سب سے اسلیئے مقدم رکھا ہے کہ وہ اولین فطری ضرورت ہے جس سے کسی جاندار کو مفر نہیں۔ انھوں نے لذت کی تین قسمیں کی ہیں (۱) جو فطری ہو اور ضروری ہو جیسے غذا (۲) جو فطری ہو لیکن ضروری نہو جیسے محبت (۳) جو نہ فطری ہو نہ ضروری جیسے موسیقی

لیکن ایک جماعت بالکل اس فلسفہ کے مخالف ہے اس فلسفہ کا نام انگریزی میں (Stoicism) ہے اور اسکے متبعین کو (Stoics) کہتے ہیں۔ عربی میں اس فلسفہ کو "فلسفۃ التجلد" کہتے ہیں اور ان لوگوں کو "رواقیون" انھوں نے انسانی عقل و حیاۃ معنوی کو جسمانی زندگی سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان کی نظر میں انسان دوسری جاندار مخلوق کی طرح نہیں ہے بلکہ ارادہ اور قوۃ فکر کی وجہ سے وہ اس کو سب سے ممتاز تسلیم سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ سعادت کا حصول حیات معنوی پر منحصر ہے نہ کہ حیات بہیمی پر ان کے نزدیک سعادت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب عقل انسانی مادی زندگی کے قیود و روابط سے علیحدہ ہو جائے۔ ذیل کے واقعہ سے آپ کو ان کے فلسفہ کا علم اچھی طرح سے ہو جائے گا:۔

اس جماعت کا ایک بڑا فرد ابکتاتوس نامی تھا جو اوّل اوّل روم کے کسی رئیس کا غلام تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ دوسرے غلاموں نے اس پر چوری کا جھوٹا الزام عاید کیا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے انکار کیا۔ مالک نے حکم دیا کہ

"اس کے پاؤں پر کوڑے لگائے جائیں تاکہ یہ اعتراف جرم کرے"

ابکتاتوس باوجود سخت تکلیف و اذیت کے خاموش رہا اور اس نے کوئی فریاد بلند نہیں کی۔ اخیر میں اس نے اپنے مالک سے پاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "اے میرے آقا، میرا پاؤں ٹوٹنے ہی والا ہے اور اگر وہ ٹوٹ گیا تو میں بیکار ہو جاؤں گا اور آپکا نقصان ہوگا"

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فلسفۂ تجلد کے پیرو کس خیال کے لوگ تھے۔ انھوں نے اشیاء و حوادث کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جنکا تعلق انسان کے ارادہ سے نہیں ہے۔ مثلاً صحت و مرض، حیات و موت وغیرہ، دوسرے وہ جنس کا تعلق عقل و

وجدان سے ہے۔ جیسے حزن و مسرت، لذت والم وغیرہ، بس ان کے نزدیک حکیم وہ ہے جو قسم اول کی باتوں سے اعراض کرکے صرف قسم ثانی کی طرف توجہ کرے اور استقلال فکر سے کام لیکر اپنی ذات کو امن وسعادت کی اشاعت کے لئے وقف کردے۔

ایکتاتوس کے اقوال ذیل سے اس کے فلسفہ پر کافی روشنی پڑتی ہے:-

(۱) جو چیز گم ہو جائے اس کی نسبت یہ نہ کہو کہ میں نے اسے ضائع کر دیا بلکہ یہ کہو کہ میں نے اسے واپس کر دیا۔

(۲) جس وقت موت آئے گی تو میں اپنی زندگی اس طرح اس کے سپرد کردوں گا گویا کہ وہ میرے پاس امانت تھی۔

(۳) اگر تو ان زاہدوں میں سے ہے جو جسم کو تکلیف میں رکھتے ہیں تو غرور نہ کر۔ اگر تجھے کبھی شدید پیاس محسوس ہو تو شیریں پانی منہ میں لے کر کلی کرلے، لیکن یہ سب کچھ خلوت میں کر جہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو۔

میں نے جہاں تک گاندھی جی کی زندگی اور ان کے مقاصد پر غور کیا ہے۔ ہمیں انھیں اسی فلسفۂ تجلد کا پیرو پاتا ہوں، خواہ وہ اس کو محسوس کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔

نیاز

حضرت نیاز کی ڈائری

ادبی جواہر پاروں کا گنجینہ روانہ ہو رہی ہے معہ محصول ایک روپیہ میں

دونوں ساتھ دیکھئے

فراست الید ——— **فراست التحریر**

عمہ / علاوہ محصول — عمہ / علاوہ محصول

دونوں معہ محصول عہ/ میں

منیجر نگار

مطبوعات موصولہ

روحِ جذبات مختصر سا مجموعہ ہے حضرت اکبر حیدری کے بعض نظموں، غزلوں اور قطعات کا جسے اڈیٹر نیرنگ دہلی نے شائع کیا ہے۔

حضرت اکبر حیدری کا کلام ملک میں اسقدر معروف ہو چکا ہے کہ اسپر تقریظ و تنقید لکھنا یا ملک سے اسکو روشناس کرانے کی زحمت اختیار کرنا تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں۔ کوئی رسالہ ایسا نہیں جس میں ان کا کلام کبھی نہ کبھی شائع نہ ہوا ہو اور شاید ہی کوئی ادبی صحبت ملک میں ایسی برپا ہوئی ہو جس میں کسی نہ کسی صورت سے۔ جناب اکبر کا کلام موضوعِ گفتگو نہ قرار پایا ہو۔ جناب اکبر حیدری کی شاعری کا آغاز اس زمانہ میں ہوا جب اُردو شاعری بالکل جدید دور سے گزر رہی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ اس دور کے اساطینِ شعر کا جب ذکر کیا جائیگا تو سخت سے سخت نقاد بھی اکبر حیدری کو نظر انداز نہیں کر سکتا

جناب اکبر حیدری کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ آغاز ہی میں وہ اپنے جذبات کی ایک فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اور پڑھنے والا مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس فضا میں ہو کر شاعر کے ساتھ ساتھ پرواز کرے۔ اور پھر چونکہ ان کی شاعری کی فضا بہت بلند و لطیف ہے اسلئے تھوڑی دیر کے لئے انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس دنیا سے علیحدہ کسی اور عالم میں پہونچ گیا ہے۔ پھر انکا یہ رنگ کسی خاص صنف کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ غزل ہو یا رباعی، قطعہ ہو یا مثنوی ہر جگہ یکساں قوت کے ساتھ نظر آتا ہے اور شاعر کی انفرادی خصوصیت کو اس طرح نمایاں کرتا رہتا ہے۔ ذیل کے بعض اشعار سے غالباً میرے اس قول کی تصدیق ہو سکتی ہے:۔

بے تکلف تجھے خدا کہنا　　　ہائے اس سادگی کا کیا کہنا

تیری عنایتیں ہیں کہ دنیا بدل گئی　　　ورنہ یہی زمین یہی آسمان تھا

جہانِ زیست میں جسکو کبھی سکوں نہ ملا　　　خبر نہیں اسے مرنے کا حکم کیوں نہ ملا

خبر نہیں یہاں اندازِ گفتگو کیا ہے　　　دیارِ عشق میں کوئی بھی ہمزباں نہ ملا

سادگی ہے اور تیرا اعتبار　　　دل نہ ٹوٹے لے تسلی رکھنا

کبھی تو سجدۂ بے احتیاج بھی کر لے　　　ہزار سجدے روا ہیں اگر ضرورت میں

جب دیکھو ذکرِ عشق پہ وارفتہ بن گیا　　　اک جنبشِ لب سے انھیں کہ دیوانہ بن گیا

اک تبسم ہے انکے ہونٹوں پر یا مری گم شدہ جوانی ہے

ضرورت ہے کہ ملک کے نوجوانوں اور طلبہ کے سامنے نظم کی جو کتابیں پیش کی جائیں وہ بلند ذوق کی ہوں اور ایسی کتابوں کے سلسلہ میں روح جذبات، کو جس کا زیادہ صحیح نام (جذبات روح) ہو سکتا ہے اولین فہرست میں شامل ہونا چاہئے۔

یہ مجموعۂ دلنواز ایک روپیہ میں اڈیٹر نیرنگ دہلی سے مل سکتا ہے

مثنوی ناسخ | شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی کی ایک مثنوی سیلاد و مناقب کی کمیاب تھی، اب اس کو حبیب اللہ خاں صاحب ام اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی نے بالکل جدید اصول ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اور کتابستان الہ آباد نے ٹائپ کے حروف میں شائع کیا ہے۔ کتابستان الہ آباد کا جدید لیکن نہایت ہی مہذب و آراستہ دار الاشاعت ہے جس نے ٹائپ میں اشاعت کا انتظام کیا ہے۔ اور ضرورت ہے کہ پبلک اس کی ہمت افزائی کرے۔ یہ کتاب ۱۲ر میں مل سکتی ہے۔

نیاز

دیکھئے اور ہنسئے

شوکت تھانوی کے مزاحیہ مضامین کے دو مجموعے

موج تبسم مجلد عہ

بحر تبسم ۱۲ر

دونوں معہ محصول تین روپیہ میں

منیجر نگار

ضرورت ہے:

جنوری - فروری - اپریل سنہ ۱۹۳۱ء کے نگار کے پرچوں کی - جو صاحب علیحدہ کرنا چاہیں دفتر کو اطلاع دیں۔

منیجر نگار

محبت

اے دوست! فضائے ہستی میں تا چند یہ سعی بیجا حاصل
ہر عشرتِ دوراں بے معنی، ہر کشمکشِ دنیا باطل

دنیا کہ ہجومِ کاوش سے تاریک ہے جس کی پیشانی
مجروح ہیں جس کے سایہ میں اجزائے حیاتِ انسانی

دنیا کہ باایں اندازِ جنوں، دانش کے ترانے گاتی ہے
اک تلخ و گراں گمراہی میں آسایشِ منزل پاتی ہے

دنیا کہ گدازِ باطن کے احساس کی لذت یاب نہیں
تا حدِ بیاں ہے سوزشِ پنہاں، روح مگر بیتاب نہیں

دنیا کہ رہینِ بیتابی ہے تیغِ جفا کے سائے میں
ہر وقت جو لرزاں ملتی ہے خطراتِ فنا کے سائے میں

دنیا کہ سرِ شکِ ماتم سے تعمیرِ تبسم کرتی ہے
نالوں کی فضا میں ترتیبِ اجزائے ترنم کرتی ہے

دنیا کہ جہاں مقصودِ عبادت اصل میں ہے تکمیلِ ریا
ہوتی ہے حریمِ نفس کی تاریکی میں نمازِ روح ادا

دنیا کہ بنائیں ہیں جس کی اک ضبط شکن نادانی پر
اوہام کے دھندلے پردے ہیں ایوانِ حیاتِ فانی پر

اے دوست نکل جائیں، اب آ، اس دائرۂ آلام سے ہم
تا چند فریبِ ہستی میں بیگانہ رہیں انجام سے ہم

مایوس نہ ہو! ہم باطل کی تاریکیوں کو کھو سکتے ہیں
ہاں! قیدِ حیاتِ فانی میں رہ کر بھی رہا ہو سکتے ہیں

اوہام کے اس تاریک فضا کو حسنِ عمل سے چمکا دیں
گمراہ و غلط ہیں دنیا کو اسرارِ محبت سمجھا دیں

اک آگ لگا دیں روحوں میں ایسی کہ تڑپ جائے دنیا
آ، گائیں محبت کے نغمے، بستی بستی، صحرا صحرا

ہر سانس ہجومِ سوزِ دروں سے ایسے شعلے بھڑکائے
ہو خاک زمانہ جل بجھ کر، اور خاک ہوا میں اڑ جائے

کیا غم جو ضمیرِ خوابیدہ اس طرح سے بھی بیدار نہ ہو
انسان، سرودِ سازِ محبت سننے پر تیار نہ ہو

پروانے کی صورت تڑپیں گے اور دنیا کو تڑپائیں گے
کچھ بھی نہ سہی، اس آگ میں ہم خود جل کے فنا ہو جائیں گے

آئے گی بہارِ جاں پرور، ہر غنچۂ دل کھل جائے گا
انسان کو پتہ تو اس فردوسِ راحت کا مل جائے گا

مقبولِ سماعت جس میں نہیں افسانۂ عقل و نادانی
آئینِ محبت پر مبنی ہے نظمِ حیاتِ انسانی

ہر صبح جہاں عشرت کے شگفتہ پھول کھلائے جاتے ہیں
ہر شب جس میں صہبائے طرب کے جام پلائے جاتے ہیں

احساسِ عناد و سعیِ جفا کا دخل نہیں اس جنت میں
خود کام جہاں انسان نہیں تعمیرِ حریمِ راحت میں

دورہ ہے جہاں آسایشِ دل کا رنج و الم کا نام نہیں
اک عشرتِ سرمد ہے ہستی خطراتِ فنا سے کام نہیں

علی اختر (از حیدرآباد دکن)

کہسارِ مسوری

(۱)

کاشانۂ راحت ہے کہسارِ مسوری میں !
میخانۂ عشرت ہے کہسارِ مسوری میں !
فردوسِ مسرت ہے کہسارِ مسوری میں !
میرے لئے جنت ہے
کہسارِ مسوری میں

(۲)

ہر وادیٔ نسریں کو فردوسِ حسیں کہئے
ہر غنچۂ نسریں کو خورشید جبیں کہئے
ہر لالۂ رنگیں کو ــ اک شمع مبیں کہئے
رعنائی فطرت ہے
کہسارِ مسوری میں

(۳)

وہ دامنِ مشرق میں انوار کی رخشانی
وہ "ابرِ بہاریں" کی ــ فردوس بدامانی
رشحاتِ دُر افشاں کا اندازِ دُر افشانی
"تنویرِ صباحت" ہے
کہسارِ مسوری میں

(۴)

وہ صبحِ بہارستاں وہ ابرِ خرامیدہ!
وہ کیفِ نشاط آگیں، وہ مستیٔ پاشیدہ!
وہ خلدِ سکوں پرور ــ وہ جنت خوابیدہ!
"خاموش مسرت" ہے
کہسارِ مسوری میں

(۵)

ہر بزم میں اک ایسی تصویر نظر آئی
"اللہ جمیل" کی تفسیر ـــ نظر آئی
یا ـــ خوابِ زلیخا کی تعبیر نظر آئی
بتخانۂ الفت ہے
کہسارِ مسوری میں

(۶)

ہر گوشے میں عشرت کا میخانہ نظر آیا !
ہر قصرِ مسرت کا، کاشانہ نظر آیا !
دیکھا جسے، وہ غم سے بیگانہ نظر آیا !
ہر گام پہ راحت ہے
کہسارِ مسوری میں

(۷)

اک نور اُبلتا ہے ہر چشمۂ نسریں سے
اک حسن ٹپکتا ہے ہر جلوۂ رنگیں سے
اک کیف برستا ہے ابرِ طرب آگیں سے
طوفانِ لطافت ہے
کہسارِ مسوری میں

(۸)

جب کوہ پہ مصروفِ گلگشت نظر آئیں
گجرات کی لیلائیں، کشمیر کی سلمائیں
مدہوش نہ پھر کیوں ہوں معصوم تمنائیں
نو بادۂ فطرت ہے
کہسارِ مسوری میں

(روش صدیقی)

شامِ گورستاں

وقت کی رفتارِ بے آواز کتنی تیز ہے　　شش جہت میں روئے شب کا عکس ظلمت ریز ہے
آ گئی نظارہ ہائے شام پر کالی نقاب　　چھپ گیا آغوشِ مغرب میں نگارِ آفتاب
سو گئی گہوارۂ ظلمت میں دن کی زندگی　　رات کے کالے پروں سے گر رہی ہے تیرگی
جم گیا ہے قالبِ ہستی میں ہنگاموں کا خوں　　تھم گیا ہے شورشِ عالم کا سیلابِ جنوں
نیند یعنی موت کی محویتوں کا ایک خواب　　موت کے دامن میں استغراقِ راحت کا سراب
نیند یعنی بے حسی کا ربطِ خواب آفریں　　نیستی کے بادۂ سیال کا کیفِ حزیں
نیند گہری نیند، بیداری کی مرگِ ناگہاں　　بن گئی ہے پاسبانِ انتظامِ دو جہاں
رات کے تاریک پردے میں نہاں ہے کائنات　　محوِ حیرت ہوں کہ کتنی بے زباں ہے کائنات
چھا گیا ہے محفلِ ہستی پہ افسونِ ممات　　ڈھونڈ شمعِ دیدۂ بینا سے آثارِ حیات

آہ یہ وقت، اور گورستان کا رنگِ سکوت　　ہو رہی ہے نیستی کے گھر میں اک گنگِ سکوت
کیا جنوں آموز ہے شہرِ خموشاں کی فضا　　کس قدر دل دوز ہے شہرِ خموشاں کی فضا
سوچ میں ڈوبا ہوا ہے موت کا مجسم وقار　　زندگی کی بے بسی ہر سمت سے ہے آشکار
عشق کا خالق تھا جن کے حسنِ تاباں کا گداز　　جنکے پاؤں پر ہوا کرتے تھے سجدے سرفراز
جنکی تدبیر جہانبانی پہ حیراں تھی شکست　　جنکی پیہم یورشوں سے خانہ ویرانی شکست
جنکے محکم عزم سے لرزاں تھے تقدیروں کے دل　　جنکے نعروں سے دہل جاتے تھے شمشیروں کے دل
جنکے ہر ذرے میں اک آتشکدہ مستور تھا　　جنکا ہر بے خود نفس اک نعرۂ منصور تھا

سو رہے ہیں یوں کہ حیراں ہے جمودِ قبر تک　　یہ گماں ہوتا ہے چونکیں گے نہ روزِ حشر تک
دیکھ غافل رونقِ ایوانِ ہستی کا مآل　　خوں رُلاتا ہے جہاں کی بستی بستی کا مآل
کیا خبر ملنا ہے کن کن ہستیوں کو خاک میں　　تیر باقی ہیں ہزاروں ترکشِ افلاک میں

موت کے بے رحم پنجے سے نہیں ممکن نجات　　آہ اِس خونیں شکنجے سے نہیں ممکن نجات
حشمتِ جمشید ہو، یا بختِ دارا کا عروج　　ملتِ بیضا کے دن ہوں یا نصاریٰ کا عروج
عالمِ فانی میں کوئی طاقتِ گردوں وقار　　رہ نہیں سکتی ہمیشہ بامُراد و کامگار
رخصتِ دورِ خزاں ہے آمدِ فصلِ بہار　　اور ہوتی ہے بہار آخر خزاں سے ہم کنار
جلوۂ مہرِ درخشاں موت ہے ظلمات کو　　کانپتے رہتے ہیں ننھے ننھے تارے رات کو
چاند کی تکمیل دیتی ہے اُسے درسِ زوال　　آہ تمہیدِ تنزل ہے کہ تحصیلِ کمال

زندگی کی کشمکش سے کچھ ملے فرصت اگر　　بیٹھنے دے چین سے افکار کی کثرت اگر
رُوح کو محسوس کر دوں پیکرِ تحریر میں　　خونِ دل سے رنگ بھر دوں شعر کی تصویر میں
رُوح زندہ ہے تو جسمِ رائگاں کا کیا ملال　　جو زیانِ عارضی ہو، اس زیاں کا کیا ملال
"یہ مری ہستی کہ ہے اک شعلہ زارِ آرزو"　　جس کے ہر ذرے میں رخشاں ہے شرارِ آرزو
گو کسی دن لقمۂ جورِ قضا ہو جائے گی　　خاک میں مل جائے گی یکسر فنا ہو جائے گی
پر مری آواز جو اک نالۂ پُر جوش ہے　　جس کی ہر لے میں شرارِ زندگی رُوپوش ہے
غلغلہ افشاں رہے گی گنبدِ افلاک میں
حشر تک لرزاں رہے گی گنبدِ افلاک میں

عدم

سحر مری

صبا بر دوش خوشبو آرہی تھی شوخ نکہت کی   طرب انگیز تھی "آفت نوائی" سازِ فطرت کی
ابھی سوئے سحر تھا ناشناسِ ذوقِ عریانی   نہاں تھی پردۂ شب میں شفق کی شعلہ سامانی

کہیں کوئل بھی آموں پر اڑاتی رس بھری تانیں   پپیہا کی کہیں پی پر فدا تھیں سیکڑوں جانیں
مسلط خواب تھا اک نہالِ صحنِ گلشن پر   گہر شبنم نے برسائے تھے ہر سو گل کے دامن پر

کہیں شاخوں کے نغموں سے عیاں تھی "لرزشِ آبی"   کہ جس سے کنج کی ہر شاخ پر تھی محویت چھائی
"شرابِ نیم شب" کی مستیاں چھائی تھیں فطرت پر   "خمارِ نوم" کے پردے پڑے تھے گل کی خلوت پر

صدائیں فاختہ کی تھیں سرور افزا بہار افزا   ادائیں تھیں کبوتر کی غرور افزا خمار افزا
صبا کے بھی خرامِ ناز میں تھا رس بیداری   تبسم میں تھا غنچوں کے بھی اندازِ فسونکاری

غرض قسمت چمکتی تھی فضائے حسنِ فطرت کی   کہ ناگہ ایک دوشیزہ سرِ صحنِ نظر آئی
صدا ہر سو سے آتی تھی لطافت ہی لطافت کی   تمناؤں میں ہنگامہ ہوا ظالم کدھر آئی!؟

سحر کا ہر تبسم تھا بطرزِ خود شباب آگیں   چمن پر بھی وہ کیفیت خمار آگیں شراب آگیں
ادائے زلف برہم سے، نظامِ صبر میں لغزش   جبینِ ماہ پیکر سے محیطِ ہوش میں لرزش

شعاعیں پھوٹ نکلی تھیں فضائے حسنِ گلشن سے   ہوائیں جھومتی تھیں عطر مل کر اپنے دامن سے
سحر کی سیم زائی، غرق عرقِ ناز میں اس کے   کرن کا نور وابستہ ادائے زلفِ برہم سے

عروسِ صبح پر چھایا ہوا تھا منظرِ رعنا   جسے کہتے ہیں اہلِ ذوق "طوفانِ تلاطم زا"
شہادت لوٹتی اسکے ابروئے خمدار و نازک پر   غضب آلودہ مژگاں میں نہاں تھے سیکڑوں نشتر

نئے جلوے نظر آتے تھے جو گلزارِ فطرت میں   وہ خود ڈوبے ہوئے تھے بادۂ حسن و لطافت میں
ہلاکِ چشم تھی خود ہی تبسم کی فسونکاری   غرورِ شرم و غیرت آسماں کی بجلیاں ساری

پیامِ حسن تھا پیہم، چمن مینائے عشرت سے   لرز جاتیں فضائیں، اسکی ادنیٰ سی جسارت پر
نگاہِ "حسن پیما" کے لئے، گلزارِ جنت سے!   برس پڑتیں شرابیں، شوق کے حسنِ ارادت پر!!

لبوں میں بجلیاں تھیں، بجلیوں میں شعلہ سامانی   تکلم پر تصدق تھی عنادل کی غزلخوانی
شہابی رنگ تھا لب کا، جوابِ لالۂ رعنا   بظاہر لعلِ رمانی، بہ باطن تو نوے لالا
گلِ عارض پہ اک تل تھا نشانِ فطرتِ مضطر   حریمِ حسن کی آغوش میں یا کفر کا منظر!
بناگوش میں اک پارۂ نیلم ضیا افشاں   بساطِ حسن پر یا قطرۂ سیماب تھا لرزاں

صباحت گردنِ بلوریں کی طرفہ قیامت کی
نزاکت میں لطافت تھی، لطافت بے نہایت تھی

ڈھلے تھے نور میں شانے، جلا کافور کی اُن پر   "کنارِ صدرِ سیمیں" میں شبابِ حسن تھا مضطر
کھلے شانوں تک اسکے "تازگیِ ساعدِ سیمیں"   عبارت بس انھیں سے بیگماں تھا "خوشۂ پرویں"
حنا بستہ ہاتھوں میں پوشیدہ گلستاں تھا   قدم کی شوخیوں میں محشرِ خاموش پنہاں تھا
صباحت پر فدا، کیفِ ضیائے صبحِ کافوری   لطافت پر تصدق جلوہ ہائے حسنِ ناظوری

غرض وہ کارگاہِ رنگ و بو میں شانِ فطرت تھی
بساطِ خاک پر اک پیکرِ حسن و لطافت تھی

وہ چل پڑتی تو دنیائے "تمنا گرد" ہو جاتی   جو رک جاتی تو نبضِ شوق بالکل سرد ہو جاتی
"نقوشِ برق" ہوتے رونما اسکے تبسم پر   تمنا کروٹیں لیتی ادائے ہر تکلم پر
اگر خاموش لب ہوتے تو آنکھیں گفتگو کرتیں   نگاہیں "منجمد" ہوتیں تو شرحِ آرزو کرتیں
فضائیں کانپ اٹھتیں اگر تیور بدلتے تھے   نظر جب سرمگیں ہوتی تو صد بادل مچلتے تھے

بہارِ پیکرِ رنگیں میں پنہاں شوخِ فطرت تھی
یہی کہئے نہ کیوں اسکو قیامت ہی قیامت تھی!

ادائیں اپنے حلقے میں لئے یوں قامتِ زیبا   کہ جیسے چاند کے چاروں طرف ہو چاند کا ہالا
بچھا تھا تختۂ سبزہ حدودِ موجِ دریا تک   لہکتے تھے گلِ خودرو کنارِ ریگِ صحرا تک
یہیں سے سلسلہ تھا آبشارِ کیف پرور کا   یہی آغاز بھی تھا کوہسارِ "چرخ پیکر" کا
کہیں فوارے چھٹتے تھے "تہِ آبِ مصفا" میں   کہیں سبزے لہکتے تھے "فرازِ کوہ و صحرا" میں

کہیں تھے جھاڑیوں کے کنج گویا حجلۂ عشرت
کہیں آبی تصادم سے چھڑا تھا نغمۂ عشرت!

بصد انداز دوشیزہ جو پانی میں اتر آئی   تو اک دنیائے حسرت فی الساحل نظر آئی
حبابِ بحر تا کمر تک لگ کے ہو کر شیدائی   ادائے کمسنی پھر اُسپہ یہ ہنگامہ آرائی
ملا ساق و کمر سے چھو کر وہ نور پانی میں   تڑپتی موج جیسے بساطِ نور تک محوِ روانی میں
معاذ اللہ زلفِ منتشر کی کیف سامانی   خمِ گردوں میں جیسے مضطرب امواجِ پانی

غضب تھا حسن کا عالم نگاہِ خضر ساماں میں
شعاعیں برق کی لہرا رہی تھیں آبِ حیواں میں

ملی جب غسل سے فرصت تو لیکر ایک انگڑائی   سمٹ کر شرم در آغوش "دریا" سے نکل آئی
ہلالِ چرخِ گرداں ابر میں اک جیسے پنہاں تھا   نکل کر ہو گیا محوِ تماشائے تحیر زا
شعاعیں اُسپہ جب آکر پڑیں "دیدہ دزدیدہ"   مچل کر رہ گئی وہ مثلِ برگِ شاخِ لرزیدہ
نہ اسپر بھی جو صبر آیا تو گیسوئے پریشاں کو   سرو سینہ پہ بکھرا کر چھپایا حسنِ عریاں کو

بڑھیں عریانیاں کچھ اور بھی ذوقِ حفاظت پر
شعاعِ فتنہ ساماں چھا گئی حسن و لطافت پر

نہ دیکھی جا سکی فطرت سے یہ طرزِ تصادم زا   ہوئی وہ مائلِ ختمِ تماشائے تلاطم زا
مچل کر ہو گئی دوشیزہ غائب کنجِ فطرت میں   نگاہیں غرق ہو کر رہ گئیں دریائے حیرت میں
"سحر" نے کروٹیں لیں اور بیداری ہوئی پیدا   شعاعِ مہر سے تاباں ہوا، ہر ذرہ صحرا
قدم کے کچھ نشاں آئے نظر "جو انقلابی" تھے   مگر جب غور سے دیکھا تو وہ "نقشِ گلابی" تھے

نگاہیں جذبہ ہو کر رہ گئیں حافظ فضاؤں میں
ادائیں دیکھ لیں میں نے، نکلتے جب اداؤں میں!!!

حافظ غازیپوری

مولانا شبلی

- سیرۃ النبی جلد اول عہ
- 〃 دوم صہ
- 〃 سوم سعہ
- الفاروق عار و ے
- سیرۃ النعمان ۱۲ر
- الغزالی ۱۲ر
- المامون ۱۲ر
- سوانح مولانا روم ۱۲ر
- سفرنامہ مصر و شام ۱۲ر و عار
- علم الکلام ۱۲ر و عار
- الکلام ۱۲ر و عار
- رسائل شبلی عہ
- مقالات شبلی عہ
- شعر العجم جلد اول ۱۲ر
- 〃 دوم ۸ر
- 〃 سوم ۸ر
- 〃 چہارم ۸ر
- 〃 پنجم ۱۲ر
- موازنۂ انیس و دبیر ے
- مضامین عالمگیر عہ و ۱۲ر
- آغاز اسلام ۱۲ر و ۲ر
- کلیات فارسی شبلی عار
- کلام شبلی اردو ۸ر

رتن ناتھ سرشار

- سیر کہسار ے
- خدائی فوجدار عار
- جام سرشار عار
- الف لیلہ بطرز ناول صہ
- کامنی ے

- سوانح عمری عیار ۸ر

منشی سجاد حسین مرحوم

- احمق الذی ۸ر
- حاجی بغلول ۸ر
- پیاری دنیا ۸ر
- کایا پلٹ ۸ر
- میٹھی چھری ۶ر
- طرحدار لونڈی عہ
- طلسمی فانوس ۱۲ر

جوالا پرشاد برق

- مرنالنی ۱۰ر
- مار آستین ۱۰ر
- بنگالی دولہن ۱۲ر
- معشوقۂ فرنگ ۸ر
- پرتاب ۱۲ر
- روہنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

- جنید بغدادی عہ
- ملکہ زنوبیہ ۳ر
- قرۃ العین ۳ر
- محدرات ۸ر
- جویائے حق للعہ
- لعبت چین عہ
- فاتح و مفتوح ۴ر
- بابک خرمی عہ
- الفانسو ۱۲ر
- ایام عرب عار
- قیس و لبنیٰ ۴ر
- یوسف و نجمہ عہ
- زوال بغداد ۴ر

- مینا بازار عہ
- مقدس نازنین ۸ر
- رومتہ الکبریٰ ۸ر
- فلپانا ۸ر
- شوقین ملکہ ۸ر
- منصور موہنا ۸ر
- حسن انجلینا ۸ر
- ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
- فردوس بریں ۸ر
- حسن کا ڈاکو ۸ر
- دربار حرام پور ۱۰ر
- غیب دان دولہن عہ
- بدر النساء کی مصیبت ۴ر
- میوۂ تلخ ۸ر
- نیکی کا پھل عہ

شوق قدوائی

- ترانۂ شوق ۸ر
- قاسم و زہرہ ۱۲ر و عہ
- نیرنگ جمال ۴ر

ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب ۹ر
- نیلی چھتری ۴ر
- بہرام کی گرفتاری عہ

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

- شعلۂ رنگین ۸ر
- محاصرۂ پیرس عہ
- شیخ چلی عہ
- بہرام کی واپسی ۴ر
- انقلاب فرانس عہ
- حسن بنارس ۸ر

- فطرتی جاسوس ۸ر
- ترکی حرم سرا ۸ر
- جنگ طرابلس ۸ر
- بہرام چور ۸ر
- زر پرست ۸ر
- گنجی کا راز ۸ر
- عبدالرحمٰن ناصر عار
- عروس مصر عار
- سیلاب خون ۸ر
- سیاحت زمین ۸ر
- سیاحت ہوا عہ
- نازنین مراکش ۸ر
- سمندر کی سیر عار
- اسرار بالشویزم ۸ر
- روح لیلیٰ ے
- امین بگ عہ
- حجاج بن یوسف ۴ر
- یوسف پاشا ۸ر
- انقلاب عثمانی ۴ر
- بہرام کی رہائی ۴ر
- بہرام کی آزادی ۱۲ر
- بہرام کی سرگزشت ۴ر
- لال کھنڈر عہ
- پراسرار قتل عار

ادبی کتابیں

- مکمل شرح دیوان غالب ے
- بزم خیال عہ
- نشاط سخن عہ
- انتشار نسواں ۶ر
- مکاتیب محسن الملک ۸ر

- لیلیٰ مجنوں ڈراما ۸ر

مراثی

- مراثی دبیر ۸ر
- مراثی انیس للعہ
- مراثی ضمیر عہ
- مراثی مونس ۱۲ر
- مراثی دلگیر ۱۲ر

تذکرۃ الشعراء

- تذکرۂ حسینی ۱۱ر
- گلشن ۱۰ر
- سراپائے سخن عہ
- سوانح نظیر اکبرآبادی عار

دواوین فارسی

- دیوان شمس تبریز ۱۲ر
- کلیات عراقی ۱۲ر
- دیوان حافظ ۸ر
- دیوان بیدل ۸ر
- دیوان عرفی ۱۲ر
- کلیات جامی ۸ر
- کلیات غالب ۸ر
- کلیات صائب ۱۲ر
- دیوان ناصر علی ۶ر
- کلیات سعدی ۸ر
- کلیات حزیں ۱۲ر
- دیوان عنصری ۱۴ر
- دیوان غنی کشمیری ۶ر
- دیوان ہلالی ۶ر

دواوین اردو

- کلیات ظفر ۱۲ر
- کلیات مومن عہ

- دیوان ناسخ عہ
- کلیات میر ۸ر
- کلیات سودا ۸ر
- کلیات انشا ۸ر
- کلیات نظیر اکبرآبادی عہ
- گلزار داغ ۴ر
- دیوان رند ۹ر
- دیوان ذوق ۱۲ر
- کلیات اسمٰعیل عار
- مراۃ الغیب عہ
- صنعیۂ عشق عار
- فریاد داغ ۴ر
- دیوان قاتل ۸ر
- دیوان شہیدی ۴ر

عجائب و غرائب

- عجائب المخلوقات، تصویر رنگین عہ
- 〃 با تصویر سادہ للعہ
- مجمع الفنون ے
- طلسم فرنگ عار
- کارخانۂ عالم عہ

رنالڈز کے ناولوں کے ترجمے

- الہ دین دلیلی ۱۲ر
- فریب حسن عار
- سوزن عشق ۸ر
- روزا لیمبرٹ للعہ
- ناول اسرار عار
- شام جوانی ے
- طلسمی فانوس ۱۲ر

نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمایئے

منیجر رسالہ "نگار" لکھنؤ

مطبوعہ مختار پرنٹنگ ورکس نیا گاؤں لکھنؤ باہتمام سید توسل حسین